جلد اول ستمبر سنه ۱۹۲۵ع نمبر





اورنگ آباد کالج کا دوماہی رسالہ

انجمن اردو کے مطبع میں چھپا

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورس

آج کل اُردو میں رسالے اس کثرت سے نکل رہے ہیں کہ اُن کے لئے نام تجویز کرنا ایسا ہی مشکل ہو گیا ہے جیسے شاعروں کے لئے نئے تخلص کا انتخاب۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلے ایک رسالہ نکالنا چاہتی ہے لیکن نام نہیں ملتا۔ وہاں اچھے اچھے ادیب اور باکمال موجود ہیں لیکن اس نو۔ مولود کے لئے کوئی موزوں نام نہیں سوجھتا۔ دور و نزدیک خط لکھے جا رہے ہیں مگر کوئی دستگیری نہیں کرتا۔ جب مجھے اپنے کالج کی طرف سے رسالہ نکالنے کا خیال ہوا تو نام کی مجھے بھی فکر ہوئی۔ میرے ایک عزیز دوست نے اس کا نام دلرس تجویز کیا۔ اس لئے کہ مقبرۂ رابعہ دورانی جو اورنگ آباد میں ہے اور جہاں میرا قیام ہے ممالک محروسہ سرکار عالی میں سب سے بہتر اسلامی عمارت ہے۔ یہ اورنگ زیب کی چہیتی بیوی کا مقبرہ ہے جن کا نام دلرس بانو تھا۔ اورنگ آباد کی خصوصیت سے یہ نام بہت اچھا

تھا لیکن ڈالرس کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں نورس کا خیال آیا—

نورس کا خیال مجھے کیسے آیا ؟۔کچھ عرصہ پہلے ایک عجیب اتفاق سے سلطان ابراہیم عادل شاہ کی نایاب کتاب نورس میرے ہاتھ لگی تھی اور میں اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔یہ اس خیال کا باعث ہوئی۔ابراہیم عادل شاہ کو بھی یہ لفظ محض اتفاق سے ملا۔کہتے ہیں کہ جب بادشاہ اپنا نیا شہر تعمیر کر رہے تھے تو ایک روز پاس کے موضع کے لوگ ایک شیشہ شراب کا بطور پیشکش کے بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوے۔بادشاہ نے پی تو بہت ہی لطف و نشاط حاصل ہوا اور فرمایا "امروز مارا کیفے نو رسیدہ" اس لفظ کا زبان پر آنا تھا کہ انہوں نے اسے فال نیک سمجھا اور نو تعمیر شہر کا نام اُسی وقت نورس پور رکھہ دیا۔اب اس لفظ سے انہیں ایسا عشق ہوا کہ ہر مقام اور ہر شے پر اس کا استعمال کرنے لگے۔چنانچہ مہمات مالی و ملکی میں بھی ایک عمل نورس قرار پایا اور دفتر کے معاملات داد وستد وغیرہ نورس کے حساب سے ہونے لگے۔اپنی خاص مہر پر جو یمنی عقیق کی تھی بجاے اپنے نام کے نورس کا لفظ کندہ کرایا۔نورس نام کا سکہ چلایا۔علم نورس اور نشان نورس بناے گئے۔محل

خاص کا نام نورس تجویز ہوا۔اپنی تالیف کا نام جو فن موسیقی میں ہے نورس رکھا۔ایک عید نورس قرار پائی جو نویں مہینے جمعہ کو ہوتی تھی اور اس میں بڑے بڑے کلارنت اور صاحب فن جمع ہوتے تھے اور اپنا اپنا کمال دکھاتے تھے۔بادشاہ کی دیکھا دیکھی امرا و اعیان دولت نے بھی اس لفظ کے استعمال کو باعث فخر سمجھا۔چنانچہ ظہوری کا دیباچۂ نورس مشہور ہے۔یہ بادشاہ کی مدح میں ہے۔محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ کا نام نورس نامۂ فرشتہ رکھا۔اس زمانہ کے ایک شاعر عبدالقادر کا تخلص نورس تھا —

یہ لفظ ایسا سادہ اور خوبصورت ہے کہ اس کے ذہن میں آتے ہی پھر دوسرا کوئی نام نہ جچا اور میں نے رسالہ کا بھی نام تجویز کردیا۔حقیقت یہ ہے کہ ایک کالج کے رسالے کے لئے جو حال ہی میں قائم ہوا ہے اور ان طلبہ کی مناسبت سے جو اس میں تعلیم پاتے ہیں اس سے موزوں کوئی دوسرا نام نہیں ہوسکتا۔اس رسالے کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں۔ یہ محض طالب علموں کے لئے ہے اور انہیں کی ملک ہے۔ اس کا منشا اُن میں علمی اور ادبی ذوق پیدا کرنا ہے۔ اس لئےایک خاص حصہ انہیں کے لئے مخصوص کردیا ہے۔ مختلف علمی معلومات بھی بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی

ہے تاکہ ان کا علم صرف درسی کتابوں ہی تک محدود نہ رہے اور اُن میں مطالعہ کا شوق پیدا ہو- تعلیم کی ایک بڑی غایت یہ بھی ہے کہ طالب علم اپنے مافی الضمیر کو صحت اور سلیقہ کے ساتھہ ظاہر کر سکے- اصل میں اس رسالے کی اشاعت کا مقصد اس غایت کی تکمیل ہے- اگر ہمارے طالب علموں میں ادبی ذوق پیدا ہو گیا اور اُن کی توجہ انشا پردازی کی طرف ہو گئی تو ہمارا مقصد حاصل ہو جاے گا- یہی زمانہ اُن کے کچھہ کر لینے اور حاصل کر لے نے کا ہے- اس وقت کی کوشش اور کاوشیں اُن کی آیندہ زندگی میں بارآور ہونگی- یہ وقت بونے اور پرورش کرنے کا ہے- اس محنت کا پھل اُس وقت ملے گا جب دنیا کے کار خانے میں قدم رکھیں گے- جو بوئیگا—

فی الحال اس رسالے کو ہم نے اپنے ہاتھہ میں رکھا ہے- جب طالب علم اس کی ترتیب وغیرہ کا کام سیکھہ جائیں گے تو یہ امانت اُن کے حوالہ کردی جائیگی تاکہ وہ خود ہی ترتیب دیں اور خود اس کے چلانے کا انتظام کریں- البتہ جس قسم کی مدد اُنھیں درکار [illegible] شی سے اُنھیں دیں گے—

عبدالحق

شذرات

ربع صدی کے بعد آج پھر اورنگ آباد کی پرانی نگری ایک کلیہ کے قیام سے منور نظر آتی ھے۔ وہ زمانہ دوسرا تھا۔ اُس زمانے کے خیالات بھی دوسرے تھے۔ لارڈ میکالے کا بویا ہوا بیج بھل پھول لا رہا تھا۔ انگیزی زبان کی گرم بازاری تھی۔ "گیسوے اردو" "منت پذیر شانہ" تھا اور اِسی وجہ سے ہمارا "اورنگ آباد کالج" بھی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے سات سمندر پار کی زبان کو استعمال کرتا تھا۔ لیکن زمانے نے پلٹا کھایا۔ اُردو زبان کی قسمت جس خس و خاشاک کے نیچے دبی ہوی تھی شاہانہ الطاف کے جھونکوں نے اُسے اُڑادیا اور سرسوتی نے ایک مدت بعد اپنی زبان کھولی اور اپنی مہابانی سے جو ہندوستان کی چہیتی زبان ھے سرزمین دکن پر موتی برسائے—

——:O:——

جامعۂ عثمانیہ کیا چیز ھے۔ اس کی اھمیت کیا ھے دارالترجمہ ہماری زبان کی کیا خدمت کررھا ھے؟ اِن سوالات کا جواب ہم آپ نہیں دے سکتے۔ ہم تصویر کے اتنے

نزدیک کھڑے ہوے ہیں کہ اس کے اصلی حسن اور خوبی کو معلوم نہیں کرسکتے-ہاں! آنے والی نسلیں اس کی اصلی اہمیت کو سمجھیں گی اور اُس کے سر پرست اعلیٰ کی پیش بینی کی داد دیں گی-آنے والے مورخین حیدرآباد دکن کی طرف اِشارہ کریں گے اور بتلائیں گے کہ اسی افق سے ہندوستان میں علم و حکمت کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا تھا-اسی زمین سے وہ سوت پھوٹی تھی جس نے بڑھتے بڑھتے ایک اتھا سمندر کی شکل اختیار کرلی جس کی موجوں نے اختلاف زبان کی دیوار کو بات کی بات میں گرا دیا اور ایک متحدہ اور مشترک زبان دے کر جنم بھوم-قومیت اور نسل کے امتیاز کے باوجود ایک متحدہ "قومیت" پیدا کردی-اُردو جگت بھاشا نہ ہو تو نہ ہو-ہندوستان کی قومی زبان ضرور ہوگی اور اُن اجزا کی شیرازہ بندی کرے گی جو اب تک بکھرے ہوے تھے—

———:o:———

جس آفتاب کی ضیا باریوں نے قلمروے آصفیہ کی حدود سے بڑہ کر پورے ہندوستان کے اندھیرے میں اجالا کردیا ہو اُس کی شعاعیں ولی اور سراج کے جنم بھوم تک کیوں کر نہ پہونچتیں-اگر حیدرآباد فرخندہ

بنیاد تخت آصفی کا سب سے زیادہ چمکدار ھیرا ھے-تو اورنگ آباد خجستہ بنیاد اُس کا گوھر تابدار ھے اور تاریخی حیثیت سے اسے اولیت کا فخر حاصل ھے-چنانچہ یہاں بھی آبان سنہ ۱۳۳۴ف میں انٹر میڈیٹ کالج کا قیام عمل میں آیا-بڑے ھیرے کی جوت سے یہ چھوٹا سا موتی بھی جگمگا اُٹھا—

گرچہ خوردیم نسبتیے است بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

———:O:———

جس طرح تعلیم و تربیت تکمیل حیات انسانی کے دو الگ الگ شعبے ھیں اسی طرح ھر اِدارۂ علمی کے لئے درس و تدریس کے ضابطوں کے علاوہ کچھہ ذاتی صفات کا ھونا بھی ضروری ھے-اظہار خیال کی قدرت-زندگی کے مختلف مسائل سمجھنے کی صلاحیت اور بلند پایہ انسانیت کا نشو و نما یہ وہ چند صفتیں ھیں جن کا پیدا کرنا ھر تعلیم گاہ کا پہلا فرض ھے-اگر زندگی کو نیرنگیوں کی وحدت مان لیا جاے تو اِس مجموع کے اجزا کی فرداً فرداً تکمیل کتنی ضروری ھوجاتی ھے-ھمارے رسالہ کا اجرا وہ پہلا قدم ھے جو اِس تکمیل کی طرف بڑھایا جارھا ھے-نورس میدان صحافت میں کسی دعوے کے ساتھہ نہیں

اُترا ھے۔وہ صرف ایک مقصد کا حامل ھے۔وھی مقصد جو ھر کلیہ کے رسالے یا میگزین کا ھوتا ھے یعنی طلبا میں ان کی بساط کے موافق علم و تحقیق کی چیٹک پیدا کرنا۔ انھیں اس قابل بنانا کہ اپنے کچے پکے خیالات کو اچھے اسلوب کے ساتھہ پیش کر سکیں اور اھم اور دلچسپ معلومات حاصل کرسکیں۔اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر ھم نے اس رسالہ کے بڑے حصہ کو طلبہ کے مقالات کے لئے وقف کردیا ھے لیکن ساتھہ ھی ساتھہ ھماری یہ بھی نیت ھے کہ اس میں دیگر اھل ذوق حضرات کے لئے بھی معلومات و تفریح کا اچھا خاصہ سامان فراھم کیا جاے۔ان کی سر پرستی ھمیشہ ھمارے لئے باعث فخر رھے گی اور ”نورس کا دامن“ پختہ مغزان عام و فن کے سامنے ھمیشہ پھیلا ھوا رھے گا—

—:o:—

اب تک ھندوستان کی قدیم یونیورسٹیوں میں اُردو اور عام طور پر السنۂ مشرقیہ کی سرپرستی کرنے والی صرف تین یونیورسٹیاں رھی ھیں۔یعنی پنجاب اور الہ آباد اور مدراس۔لیکن اب یہ دیکھہ کر خوشی ھوتی ھے کہ دوسری یونیورسٹیوں کی توجہ بھی اسطرف ھوتی جاتی ھے۔چنانچہ حال میں بمبئی یونیورسٹی کی مجلس رفقا نے اپنے ھاں شعبہ علوم مشرقی قائم کرنے کی تجویز کو

منظور کیا ھے-بمبئی یونیورسٹی کے طلبہ ایف-اے پاس کرنے کے دو سال بعد B. O. L. اور ۴ سال بعد M. O. L. کی ڈگریاں حاصل کرسکیں گے-ان ڈگریوں کے لئے جو گروپ قائم کئے گئے ھیں اُن میں عربی-فارسی-اُردو-پہلوی-ایک پراکرت-سنسکرت-ھندی وغیرہ زبانیں داخل ھیں-سب سے بڑی بات یہ ھے کہ ان علوم کی تعلیم بھی ھندوستانی زبانوں ھی میں دی جائیگی-مغرب کی دلدادہ بمبئی یونیورسٹی کی اِس مشرق پسندی کو عام طورپر علمی حلقوں میں حیرت کی نظروں سے دیکھا جارھاھے-لیکن ھم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ھے-جس صوبہ کے پڑوس میں جامعہ عثمانیہ موجود ھو اُس سے تو کہیں زیادہ کی توقعات رکھی جاسکتی ھیں-دیکھنا یہ ھے کہ ارباب کلکتہ و دوسری یونیورسٹیاں اس " بدعت " کی کب مرتکب ھوتی ھیں؟

——:0:——

وسایل آمد رفت کی مدد سے مغربی تہذیب نے جس سرعت کے ساتھہ ترقی کی ھے اس کا ایک ادنیٰ نتیجہ یہ ھے کہ وھاں کے لوگ یہ سننا تک گوارا نہیں کرتے کہ ان کا تمدن مشرق کا زیربار احسان ھے-چنانچہ ابھی سو سال اوپر یورپ کے علمی حلقوں میں یہ خیال رائج تھا کہ انسان کی ذھنیت کا آغاز ۱۰۰۰ سال ق-م یعنی ھومر کے زمانے

سے ہوتا ہے-آشوریوں اور فنیقیوں کو وہ لوگ محض وحشی سمجھتے تھے لیکن حال میں جو اکتشافات ہوے ہیں انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ ہومر کی الیڈ سے کئی ہزار سال قبل بھی مصر-شام-عراق اور ہندوستان میں علم کے چرچے رہتے تھے اور جس چراغ سے یونانیوں اور یہودیوں نے اپنی حکمت کا دیا جلایا وہ مشرق کی سبھا میں بہت پہلے سے روشن تھا—

——:o:——

گزشتہ ماہ میں مسٹر ڈولے کو آر میں اور مسٹر میکے کو کش میں جو آثار دستیاب ہوے ہیں ان کی عمر ۶۰۰۰ سال کی ہے-یعنی ۴۰۰۰ سال ق-م-آر (Ur) اور کش (Kish) یہ دونوں مقامات عراق میں واقع ہیں-ان اکتشافات سے معلوم ہوتا ہے کہ عراق عرب کے سمیرین لوگ عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے-اُن کے مذہبی خیالات بھی ہمارے زمانے کے خیالات سے بہت کچھہ ملتے جلتے تھے اور اُن میں تجارت بھی تھی—

——:o:——

اِن آثار کے مطالعہ سے ہندوستان کی قدیم تاریخ پر بھی عجیب و غریب روشنی پڑتی ہے-ان ہردو حضرات نے جیسی مہریں عراق میں پای ہیں وہ بالکل ویسی ہی ہیں

جو کچھہ عرصہ قبل سندہ سے دستیاب ہوی تھیں۔تل البعید میں (جو آر کے نزدیک ہے) نندی کے مجسمے بھی ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی گاے کو مقدس اور " خالق اکبر " مانا جاتا تھا۔وہاں کی عمارتوں کا انداز بالکل وہی ہے جو بعد کی بودہ مت کی عمارتوں میں پایا جاتا ہے۔ان اکتشافات نے ثابت کردیا ہے کہ پرانے زمانے میں عراق اور ہندوستان کے مابین تجارتی تعلقات تھے اور ہندوستانی تہذیب نے ان سمیریوں کی تہذیب کا گہرا اثر قبول کیا ہے۔خدا معلوم ان کی طرح مشرقی تہذیب کے کتنے خاموش گواہ ہنوز زیر خاک مدفون ہیں ؟

———:o:———

یہ تو تہذیب انسانی کی داستان تھی۔اب ارتقاے انسانی کا ذکر سنیے۔گذشتہ نومبر میں کمبرلے (جنوبی افریقہ) سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر بمقام توانگس (Tuangs) باقیات الارض کے ماہرین نے ایک عجیب و غریب کھوپڑی ڈھونڈ نکالی ہے۔اس کے متعلق علمی حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اُس ذی حیات کی کھوپڑی ہے جسے ڈارون نے " گم شدہ کڑی " (Missinig link) کہا ہے۔یہ کھوپڑی بندرنما انسان نہیں۔بلکہ انسان نما بندروں کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔جبڑے کی ساخت حیوانی ہے۔لیکن دماغ کے

حصے مخ اور مخیخ (Cerebrum & Cerebellum) بالکل انسانوں کے جیسے ھیں۔ماھرین کا خیال ھے کہ یہ جانور اب سے ٥ لاکھہ سال قبل موجود تھا۔لیکن یہاں پر یہ دلچسپ سوال پیدا ھوتا ھے کہ کیا افریقہ میں اس تمام مدت میں ارتقا کا عمل ملتوی رھا حالانکہ انسان دوسرے مقامات میں ھر اعتبار سے ترقی کرتا رھا ؟ اصلیت جو کچھہ بھی ھو اس نئی دریافت نے محدود عقل انسانی کے لئے قیاسات کے نئے دروازے کھولدے ھیں —

———:o:———

مادیت پسند یورپ سدا سے مشرقی روحانیت اور اس کے کرشموں کا منکر رھا ھے۔لیکن آج کل روحانیت کی تحریک وھاں بھی تیزی اختیار کرتی جارھی ھے۔اس تحریک کے زبردست حامی مشہور ناول نویس سر ا۔کے نن ڈایل ھیں اور مشہور سائنس داں سر آلی ور لاج بھی اب روحانیوں (Spritualist) کی صف میں مل گئے ھیں۔حال ھی میں لندن پریس کلب کی ایک دعوت میں آپ نے دور-خیالی (Telepathy) کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اظہار خیال فرمایا ھے —

” میں نے اس کی تحقیق کر لی ھے اور میں آپ کو یقین دلاتا ھوں کہ یہ اصلیت پر مبنی ھے۔

سردست هم صرف اتنا جانتے هیں که حواسوں کے
واسطے کے علاوہ اور بهی واسطے هیں جن کے
ذریعه سے ایک ذهن دوسرے ذهن پر اثر ڈال سکتا
هے - ذهن انسانی طبعی اعمال سے بے نیاز هوکر بهی
دوسرے ذهنوں تک اچها اثر پهونچا سکتا هے - وه
بغیر مادہ کے بهی اپنا وجود باقی رکهه سکتا هے ،،

———: o :———

اسی سلسله میں ناظرین کے لئے یه معلوم کرنا بهی خالی از دلچسپی نه هوگا که سر کے نن ڈایل کے خلاف ایک صاحب هوڈینی (Houdini) نے ازالۂ حیثیت عرفی و بدگوئی کا ایک مقدمه امریکه میں دایر کیا هے - مسٹر هوڈینی ایک اطالوی نوجوان هیں - آپ عرصه تک روحانی تحریروں - روحوں سے گفتگو - روحوں کی تصویریں اور اِسی قسم کے مباحث پر غور کرچکے هیں - آپ نے ایک سلسلۂ مضامین میں مذهب روحانیت کی تردید کی تهی - اور اس کے مذکورۂ بالا مظاهرات کو شعبده بازی کہا تها - سر کے نن ڈایل نے آپ کے مضامین پر ان الفاظ میں اظهار خیال کیا —

"ان کی کوئی راے مذهب روحانیت کے متعلق
قابل وقعت نهیں هے .... انهیں چاهئے که

اپنے کام میں مصروف رہیں اور ایک ایسی بحث
میں نہ پڑیں جو کہ تعصب اور اُن کے مختل
دماغ کی وجہ سے اُن کی فہم سے باہر ہے"

مسٹر ہوڈی نی کا دعویٰ ہے کہ وہ روحانیت کے تمام کرشموں کو خود بھی دکھا سکتے ہیں۔ دیکھنا ہے کہ مادیت اور روحانیت کے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے —

ہماری رائے میں یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ حق دونوں میں ہے لیکن طالب حق کو دونوں رخ پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ ایک رخی ضد اور تعصب سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جن کی نظر میں دونوں رخ ہیں وہ خاموش ہیں —

——:o:——

مرد ہمیشہ سے صنف نازک پر ناقص العقل ہونے کا الزام لگا رہے ہیں۔ لیکن زمانۂ حال کی نفسیاتی تحقیق نے اس الزام کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں نے جب عورتوں اور مردوں کے ذہن کی پیمایش کی تو حسب ذیل نتیجہ بر آمد ہوا۔ کولے روڈ و کالج میں ۱۱۵ مرد اور ۱۱۱ عورتوں کی ذہنی پیمایش کی گئی تو دونوں صنفوں نے اوسطاً ۱۴۲ نشانات حاصل کئے۔ ۴ یونیورسٹیوں کے ۳۱۷۵ طلبہ اور ۱۵۷۵ طالبات میں سے

اعلیٰ درجه میں کامیاب هونے والے ۷۵۰۳ فیصدی مرد تھے اور ۷۵۰۲ عورتیں!

———:o:———

هارورڈ یونیورسٹی میں جو ذهنی پیمایش کی گئی اُس میں ایک مرد اور ایک عورت دونوں نے برابر اعلیٰ ترین نشانات ۸۶ حاصل کئے-مردوں میں سب سے کم نشانات ۸ تھے اور عورتوں میں ۲۸-سب مردوں نے اوسطاً ۵۰ نشانات حاصل کئے اور عورتوں کے اوسط نشانات ۵۵ تھے—

———:o:———

ان نتائج سے ثابت هوتا هے که باعتبار ذهانت عورتیں مردوں سے پیچھے نہیں هیں-لیکن عورتوں اور مردوں کی یه مساوات اُن کی یکسانیت کو مستلزم نہیں هے-پروفیسر تھارن ڈایک نے جو کولمبیا یونیورسٹی میں " نفسیات تعلیمی " کے پروفیسر هیں دونوں صنفوں کے خصوصیات کی حسب ذیل تقسیم کی هے-عورتیں هجے-انگریزی-غیر ملکی زبانیں-قریبی حافظ اور ذهنی خازنیت (Retentiveness) میں مردوں سے بڑھی هوی هیں-اور مرد تاریخ-جدت-طبیعات-کیمیا اور حرکات کی صحت کے اعتبار سے عورتوں پر فوقیت رکھتے هیں-همیں امید هے که بہت جلد همارے ملک میں بھی ذهنی پیمایش کے طریقے رائج هو جائیں گے

ہمارے یہاں کی خواتین پر سے ناقص العقلی کا الزام اُٹھہ جاے گا اور علمی ترقی کے جائز مواقع سے اُنہیں محروم نہ رکھا جاے گا —



اخبار علمیہ

مشہور بنگالی ماہر سائنس ڈاکٹر جے-سی-بوس نے روشنی کی ایسی کرنیں دریافت کرلی ہیں جو کثیف اجسام کو شفاف بنا سکتی ہیں—

———:o:———

طبیعیات کے علاوہ ڈاکٹر بوس نے نباتات کا بھی بہت گہرا مطالعہ فرمایا ہے-آپ نے ایسے آلات بنائے ہیں جن کی مدد سے درختوں کی نیند-اُن میں تہیجات کی رفتار-ان کی تکان اور دیگر نباتی اعمال کی تحقیق ممکن ہے-لیکن ابھی حال میں آپ نے ایک عجیب و غریب مشین تیار کی ہے جو درختوں کے بڑھنے کی رفتار کو ساعت بہ ساعت معلوم کرسکتی ہے-اِس مشین کی مدد سے یہ بھی دریافت کیا جاسکتا ہے کہ کون کون سے درخت کس مقدار میں حرارت اور روشنی چاہتے ہیں—

———:o:———

آسٹریا کے ایک سائنس داں نے نقلی شیشہ تیار کیا ہے-

یہ شیشہ مختلف اقسام کے سریشوں سے بنایا گیا ھے - یہ بالکل بے رنگ ھے اور پائداری اور چمک کے اعتبار سے اصلی شیشہ سے کہیں بڑھا ھوا ھے - وائنا کی یونیورستی میں اس کے خواص کے متعلق تجربے کئے جا چکے ھیں اور توقع کی جاتی ھے کہ اس دریافت کا اثر شیشہ سازی کی صنعت پر بہت گہرا ھو گا —

——:o:——

اب تک طیارے بنانے کی غرض یہ ھوتی تھی کہ مختلف ملکوں کے درمیان فضائی سلسلہ تجارت و سفر قایم ھو - لیکن حال میں کپتان جی - دی - ھاوی لان نے ایک چھوتا دونشت کا طیارہ بنایا ھے جو " فضائی تفریح " کا کام دے گا - اور جس طرح آج کل لوگ موتروں یا گاڑیوں پر ھوا خوری کرتے ھیں اِس پر بھی کر سکیں گے - یہ طیارہ ایک چھوتے موترخانے میں آسانی کے ساتھہ رکھا جاسکتا ھے - ۲ منت سے کم میں اُس کے پر پرزے سمیتے جا سکتے ھیں - اس کی رفتار ۳۸ میل فی ساعت سے ۹۰ میل تک کی ھے - اس میں پترول کا صرف ۳۰ میل فی گیلن ھو گا - یہ مکمل طیارہ ۸۵۰ پونڈ میں فروخت کیا جا سکے گا -

——:o:——

وینس اتلی کا مشہور شہر ھے اور " ملکۂ بحرین " کے

نام سے یاد کیا جاتا ھے-سڑکوں کی بجاے یہاں آمد و رفت نہروں کے ذریعہ ھوتی ھے-لیکن اب اس شہر میں بھی زیر زمین ریلوے نکالی جارھی ھے-یہ ریل شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائیگی-اس کا طول ۸ میل ھوگا—

——:o:——

ھر شخص جانتا ھے کہ متعدی امراض کے جراثیم اکثر اوقات مکھیوں کے ذریعہ سے دوسروں تک پہونچتے ھیں-یہ خردبین کی مدد سے دکھای دیتے ھیں لیکن حال میں ایک عجیب و غریب طریقے سے ایک مکھی کا عکس کلاں نما شیشوں کی مدد سے بایسکوپ کے پردوں پر ڈالا گیا-اندازہ کیا جاتا ھے کہ ٹائیفائڈ (موتی جھرہ) کے ۷۰۰۰۰۰۰ جراثیم اس ایک مکھی میں موجود تھے—

——:o:——

اب تک علم تشریح الاعضا کی حیرت انگیز ایجادیں زمانہ حال سے منسوب کی جاتی تھیں-لیکن اب معلوم ھوا ھے کہ اب سے ۱/۲ ۴ صدی قبل اس علم نے اٹلی میں بہت کچھہ ترقی کرلی تھی-وھاں کے ماھرین تشریح ضائع شدہ ناک-کان-اور ھونٹ کو درست کرنا اور انھیں ازسرنو بنانا جانتے تھے—

——:o:——

مشہور مرہٹہ سردار شیواجی کی نسل کا خاتمہ گزشتہ ماہ میں ہوگیا- شری منت پرتاپ سنگھ المعروف بہ بھاو صاحب چترا پت- مہاراجہ ستارہ اس نسل کے آخری فرد تھے- ان کا انتقال گزشتہ ماہ میں ستارہ میں ہوگیا ہے-

——:o:——

انگلستان کے مشہور ماہر طبیعیات پروفیسر رس آج کل یہ تجربہ کر رہے ہیں کہ آیا مصنوعی طریقوں کی مدد سے انسانی بصارت کو اس حد تک تیز کیا جاسکتا ہے یا نہیں کہ اندھیرے کی چیزیں دکھای دیں- پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ ہماری بصارت میں ۱۵ فیصدی کے قریب اضافہ ممکن ہے—

——:o:——

جل ویدک (Water-cure) اب تک بخار اور مختلف قسم کے درد کے لئے مفید سمجھی جاتی تھی- لیکن ابھی حال میں اس کے ذریعہ سے ایک ایسے شخص کا علاج کیا گیا ہے جس کا ۲/۳ جسم جل چکا تھا اور جس کے بچنے کی کوئی توقع نہ تھی- یہ شخص چھہ روز تک پانی کے ایک ٹب میں رکھا گیا- پانی برابر بدلا جاتا تھا اور اس شخص کو بہت سا پانی پلایا جاتا تھا اور کوئی علاج نہیں کیا گیا- یہ شخص اب اچھا ہے اور ایک ہفتہ کے اندر اپنی معمولی

حالت پر آجاے گا—

———:o:———

لندن میں عنقریب ایک نئے قسم کی ٹریم چلائی جاے گی-اس کو صرف ایک شخص چلاے گا-اس گاڑی کے دروازے اس قسم کے ھیں کہ جب تک گاڑی متحرک رھے وہ کھل نہیں سکتے-گاڑی کے رک جانے کے بعد بھی اس وقت تک دروازے نہیں کھل سکتے جب تک کہ کوئی شخص پائدان کے قریب اترنے کے لئے تیار نہ کھڑا ھو-خیال کیا جاتا ھے کہ اس ایجاد سے ٹریموے کے حادثوں میں کمی ھوجاے گی—

———:o:———

امریکہ میں آج کل دنیا کا سب سے بڑا گیس پائپ بنایا جا رھا ھے-اس کا قطر ۱۶ انچہ اور لمبائی ۲۱۰ میل ھے-یہ پائپ بے جوڑ ھوگا اور زمین کے اندر ھی اندر کئی غاروں-چار ریاستوں اور دو دریاوں میں سے ھو کر گزرے گا—

———:o:———

مکروبیات "Bacteriology" کے متعلق تازہ ترین تحقیق

پروفیسر آر-سی گرین-پروفیسر مکروبیات منی سوٹا یونیورسٹی کی ھے-آپ نے بڑی کاوش کے بعد خود جراثیم میں سے ایسے چھوٹے چھوٹے جراثیم علحیدہ کر لئے ھیں جو

اول الذکر سے چمٹے رہتے ہیں اور اپنی خوراک انہی سے حاصل کرتے ہیں۔جس طرح جراثیم جسم انسانی سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اسی طرح سے یہ چھوٹے جراثیم ان بڑے جراثیم کے زلہ خوار ہیں۔پروفیسر موصوف کا دعویٰ ہے کہ یہ نئی چیز ہر قسم کے جراثیم کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔انہوں نے جب متعدی امراض کے جراثیم رکھنے والے اجزا کو مقطر کیا تو انہیں ایک سفید سی رقیق شے دستیاب ہوئی۔جب اس کا ایک قطرہ ایسے پانی میں ڈالا گیا جس میں پہلے سے جراثیم موجود تھے تو یہ سب کے سب چند گھنٹوں کے اندر مر گئے۔خیال کیا جاتا ہے کہ اگر اس چیز کو دس لاکھ گنا پانی میں ڈالا جائے تو بھی یہ جراثیم کے لئے مہلک ہوتی ہے اس دریافت سے متعدی امراض کے علاج میں بہت بڑی مدد ملے گی—

———:0:———

ملیریا کے جتنے واقعات ہوتے ہیں اُن سب کا باعث ڈنک دار مچھر ہیں اور اُن کے دفعیہ کے لئے دوائیں بھی ہیں۔لیکن حال میں جو بیان ڈاکٹر لوی پال لی جندر نے فرانس کی مجلس علوم کے روبرو دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھروں کے سب سے بڑے دشمن خود ایک قسم کے بے ڈنک کے مچھر ہیں۔یہ بے ڈنک کے مچھر بری تے نی کے

مختلف حصوں میں پائے جاتے ھیں اور ان کی مدد سے مچھروں کی دستبرد سے نجات مل سکتی ھے—

——:o:——

ڈاکٹر رابرٹ-ایچ گالٹ پروفیسر نفسیات نارتھہ وسٹرن یونیورسٹی نے حال میں ایک ایسا آله ایجاد کیا ھے جس کی مدد سے بہرے سے بہرا شخص بھی ھتیلیوں کے ذریعه سے آواز کا احساس کرسکے گا- چنانچه اس آله کی مدد سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے پانچ بہرے آدمیوں کو ۱۵ جملے سکھاے ھیں اور وہ ھتیلیوں کے ذریعه سے ان جملوں کو "سنکر" پہچان سکتے ھیں- یه آله ٹیلیفون کے صوت-گیر (Receiver) کی طرح ھے-فرق صرف اس قدر ھے که آواز کے ارتعاشات بجاے کان کے ھاتھہ کی ھتیلیوں پر پڑتے ھیں اور اُن کی مدد سے آوازیں پہچانی جاتی ھیں-ڈاکٹر صاحب موصوف آج کل یونیورسٹی سے رخصت لے کر اپنے آله کی تکمیل میں مصروف ھیں—

——:o:——

پرتگال کے ایک مقام پر ایسی توپ موجود ھے جو خود بخود دن کے بارہ بجے دغتی ھے- بڑے بڑے کلاں نما شیشوں کو اس ترکیب سے رکھا گیا ھے که ٹھیک بارہ بجے سورج کي شعاعین ان سے مرتکز ھوکر توپ کی نال پر پڑتی ھیں اور

وہ چل جاتی ھے-خدا معلوم ابر یا بارش کی صورت میں اس ''خود-سر'' توپ کے چلانے کی کیا ترکیب کی جاتی ھے—

——:o:——

فرانسیسی زراعت کو مزدوروں کی قلت سے نجات دلانے کے لئے وھاں کی حکومت زرعی فارموں میں بجلی کا استعمال کثرت سے کر رھی ھے-چنانچہ معلوم ھوا ھے کہ وھاں آج کل گایوں کو دھنے-مکھن نکالنے اور بالائی چھانٹنے کا کام بجلی سے لیا جاتا ھے—

——:o:——

ایک کیمیا دان نے مچھلی کے چھلکوں سے ایسے موتی تیار کر لئے ھیں جو آب و تاب کے لحاظ سے اصلی موتیوں سے کسی طرح کم نہیں ھیں-ان مصنوعی موتیوں کا ھار ۲۰۰ ڈالر (تقریباً ۶۰۰ روپیہ) تک دستیاب ھوسکتا ھے—

——:o:——

ابھی حال میں ایک ایسی موٹر سائکل بنائی گئی ھے جو خشکی و تری میں یکساں کام دے سکے گی—



بانی بدھ مت سے تخاطب

کچھ عرصہ قبل اجنتہ کے غاروں کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ اُن غاروں کو دیکھنے سے جو اثر دل پر ہوا اُس کو ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ گو یہ نہایت مشکل کام ہے لیکن اپنی بساط کے موافق قلم بند کرنے کی جرأت کی۔اس کے لئے میں نے اس مضمون کو چار حصوں میں چار عنوان کے تحت تقسیم کیا ہے ـــ

پہلا عنوان "شہزادہ گوتم سے خطاب" اس میں عیش و عشرت کی زندگی کو لات مار کے شہزادہ گوتم کا جنگل میں ریاضت ہائے شاقہ کرنے کا نہایت مختصر ذکر کیا ہے۔ دوسرا عنوان "بدھ سے خطاب" اس عنوان کے تحت بدھ کی ابتدائی تعلیم اور اُس کے متعلق مختلف طبقوں کے خیالات کا مختصر حال درج ہے۔تیسرا عنوان "مہاتما بدھ سے خطاب" جب بدھ کی تعلیم نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا اور لوگ جوق جوق اُس کے پیرو بنتے جا رہے تھے اس کا مختصر خاکہ اور آخری وقت کا ذکر کیا ہے۔چوتھا عنوان

" مہاتما جی کی رنگین تصویر یا سنگی مورت سے خطاب "
اس میں یہ آرزو کی گئی ہے کہ آج وہی مہاتما ہمارا رہبر بنے۔ کیوں کہ ہم کو ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو " خاموشی لیکن پر جوشی " کا درس دے—

شہزادہ گوتم سے خطاب

گیانی گُنی گوتم ! تو کپل وستو کی آباد خوبصورت نگری سے کیوں برداشتہ ہو گیا ہے۔ آج جب کہ تیرے لڑکے کی ولادت کی خوشی میں رقص و سرود کے جلسے ہو رہے ہیں۔ تو جنگل کی طرف کیوں اس قدر بے چینی سے قدم بڑھائے جا رہا ہے۔ غضب ! یہ وحشت کیسی ؟ تو نے صاحب تخت و تاج کے گھر جنم لیا۔ آرام و آسائش کے گہوارے میں پرورش پائی۔ رنج و الم سے بیگانہ ہے۔ پھر دنیا سے اس قدر گھبرا اُٹھنا تعجب سے خالی نہیں۔ اللہ ! بتادے یہ اضطراب کیا ہے۔ خیر نہ سہی۔ تو یونہی تیز قدمی کئے جا۔ میں دیکھ لوں گا۔ جہاں تو اپنی اس وحشت اور بے چینی کو سکوت اور چین سے بدل دے گا—

اُف رے بے چینی ! یہ لق و دق جنگل جابجا ڈراونی جھاڑیوں کے جھنڈ، جھلسے ہوئے خاردار درختوں کے جھرمٹ، غیر مسطح زمیں، کبھی تیز و تند ہوا کے جھونکے اور کبھی سناٹے کا عالم، یہ جنوں خیز منظر تجھے کیوں کر بھایا۔ کیا

لبھنی کا خوش نما باغ کہ جہاں رنگ برنگ کے پھولوں کے تختے انسان کو محو نظارہ کر دیتے ھیں تیری آنکھوں کو خوش نہیں آتا- بلبلوں کے سریلے نغموں کے مقابلے میں جنگلی پرندوں کی کرخت آوازیں تیرے کانوں کو کیوں کر بھلی معلوم ھوتی ھیں- سوسائٹی کی نعمتوں سے بیزار ھو کر تو اس ھو کے عالم میں تنہائی کا مورد عذاب بننے کیوں جارھا ھے- حکومت، تزک و احتشام، شوکت و شان، جاہ و ثروت تیری نظر میں کیوں ھیچ و پوچ ھیں- بے سرو سامانی اور تنہائی کو کیوں قابل ترجیح سمجھتا ھے ؟ یہ چیزیں نہ سہی تو کیا دنیا میں کوئی بھی ایسی شے نہیں جو تیرے دل کو لبھا سکے ؟ کیا دنیا کی سحر کاریاں اتنی بے سود ھوگئی ھیں!

اے دنیا کیا تو گوتم کے مقابلے میں اپنی خرد فریب ادائیں بھول گئی- جا اور شہزادۂ گوتم پر اپنا جادو چلا- نا کام دنیا- تیرا طلسم اس پر بے اثر ھے- بزرگوار حالی نے اس کے کان میں کہہ کر تیرا رھا سہا کام بگاڑ دیا—

دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرمان
چھل بل میں تم اس زال فسوں گر کی نہ آنا

شہزادہ گوتم! اُنتیس برس عیش پسندی و عشرت دوستی میں گزارنے کے بعد تجھہ پر یہ دشت نوردی

کیوں کر نہ کٹھن گزرے-اس کی صعوبتوں سے تیرا گلاب سا چہرہ جھلس گیا-تو جس چیز کی تلاش میں ھے کیا وہ صحرا ھی میں گم ھوگئی ھے ؟ کیا وہ عالیشان پر رونق شہروں میں نہیں مل سکتی ؟

ھیں! یہ تو کیا کیا کرتا ھے؟ پہروں آنکھیں بند کئے خاموشی میں ڈوب جانا، پھر گھبرا کر اُٹھنا، تھوڑی دیر اِدھر اُدھر بھٹکنا اور چور ھوکر پھر خاموشی میں غرق ھو جانا، بتا تو کس تصور میں محو رھتا ھے ؟ گوتم یہ کون سا تصور ھے جو روز بہ روز بڑھتا جاتا ھے-آج تو تو نے آنکھہ کھولنے کی قسم کھائی ھے-پہروں گزر گئے اور تو نہ معلوم کس خیال اور کس سوچ میں غرق ھے جو آنکھہ تک کھول کر نہیں دیکھتا-؟ آج صحرائے وحشت انگیز بھی بالکل بے اثر ھوگیا ھے۔ اُس کی ھر چیز تیرے اطمینان و سکوت میں اضافہ کر رھی ھے-یہ کیا معاملہ ھے ؟

گوتم! تیرے چہرے سے بھی غیر معمولی مسرت کے آثار نمایاں ھیں-بتا کس نسیم کے جھونکے نے تیرے غنچۂ دل کو گدگدایا اور کس لطیفہ غیبی نے یہ کام کیا کہ تیرا دل خوشی سے جگمگا اُٹھا-جس درخت کے نیچے تو شراب مسرت میں سرشار ھے۔ اُس میں بھی وہ نشاط انگیز رس دوڑ گیا ھے کہ اُس کی ھر شاخ مستی کے عالم میں جھوم رھی ھے—

اخر اس بشاشت کی کیا وجہ ھے ؟ کیا تو خیالی پلاو کی کسی ضیافت میں تو مصروف نہیں ھے ؟ لیکن نہیں-تیری سنجیدہ صورت سے تو یہ معلوم ھوتا ھے کہ تونے خیالی دنیا میں کوئی اور فتح یابی حاصل کی ھے-بتا تصور میں ڈوب کر تونے کیا پایا ؟ خاموش! اُٹھا بھی تو خاموش ھے-اُٹھ کر اب تو کہاں جارھا ھے-آبادی کا کیوں رخ کیا ؟ خراماں خراماں وطن کی طرف تو جا رھا ھے-لیکن وطن والوں کے لئے سوغات؟ خاموش! کیا وھاں چل کر کوئی مژدۂ جانفزا سنانے والا ھے ؟ چل چل اور اس دلکش نغمہ کو جلد سنا جس کے لئے میرے کان نہایت مشتاق ھیں—

تیری آمد آمد سن کر تمام شہر نہایت حیرت و تردد میں پڑ گیا ھے-کوئی کہتا ھے حکومت کا شوق کھینچ لایا-کوئی کہتا ھے تنہائی کی صعوبتوں نے گھبرا دیا-غرض تیری آمد نے لوگوں میں عجب ھل چل ڈالدی ھے-لیکن اس موقع پر صرف عوام ھی خوش نظر آتے ھیں-دوسرے طبقوں پر مردنی چھائی ھوئی ھے-یہ تو کیا کہہ رھا ھے ؟ جس کو سن کر علما کا گروہ ناک بھوں چڑھاتا ھے-حامیان مذھب تجھہ کو حقارت آمیز نگاھوں سے دیکھہ رھے ھیں-صرف عوام ھی کی جماعت تجھہ کو گھیرے ھوے ھے-جو تجھے بدھہ (تجلی یافتہ یا روشن ضمیر) کہہ کر پکار رھی ھے—

دولت حکومت تیرا ساتھہ نہ دے۔مذہب اور دین تجھے حقیر جانے۔نغمہ سرائی کے لئے تجھے اپنی پیاری زبان (سنسکرت) ترک کرنی پڑی۔لیکن دل گواہی دیتا ہے کہ تیرا نغمہ خارج از آہنگ نہیں۔انسانی زندگی پر تیری نوحہ زنی بھونڈی پراکرت میں بھی درد سے خالی نہیں۔ تیری زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے صداقت میں ڈوبا ہوا۔ تیری ہر بات دل میں گھر کر رہی ہے۔جادو بیانی تجھہ میں نہیں۔دھواں دھار تقریر سے مسخر کرنا تیرا فن نہیں۔لیکن صداقت کا اظہار مختصر الفاظ میں ایک ایسا اسم اعظم ہے جو ان تمام شریف فنون سے کہیں زیادہ افضل اور کارگر ہے—

گوتم! سراپا صداقت۔واقعی تو بدھہ کہلانے جانے کا مستحق ہے۔اب میں بھی اسی لقب سے خطاب کرنے کی اجازت چاہتا ہوں—

بدھہ سے خطاب

"انسانی زندگی سراپا رنج و آلام ہے۔آلام کی وجہ خواہش ہے پس خواہشات کو مٹانا چاہئیے"—

کہہ! بار بار کہہ۔بھینٹ چڑھاوے سے نفس انسانی کی کدورت دور نہیں ہوسکتی۔واقعی نفس کشی کا یہ طریقہ نہایت مہمل و بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔اوہام و اصنام پرستی

نروان (نجات روح) کا ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ تیری نظروں میں نوع انسان کا ہر فرد ایک حیثیت رکھتا ہے۔ ذات پات کا امتیاز جائز نہیں۔ تیرے راستہ پر ہر ادنی سے ادنی قوم کا آدمی اسی طرح چل سکتا ہے جس طرح دولت مند لوگ۔ یہ سیدھی سادی سچی تعلیم لوگ کیوں نہ قبول کریں! —

بدھ! متوسط طبقے نے تیری روش پر چلنے کا شرف حاصل کر لیا ہے متمول اور ذی جاہ لوگوں کے دلوں کو تیری صادق البیانی مسخر کر رہی ہے۔ کیوں؟

تیرا ہر لفظ وہ سرور انگیز نغمہ ہے جو دلوں پر وجد حقیقت طاری کر دیتا ہے۔ تیری ہر حرکت وہ عشوہ شیریں ہے۔ جو دلوں کو حق پرستی کے لئے بے تاب کر دیتا ہے۔ عیش و عشرت کے خم لنڈھانے والے بھی عشرت کدوں سے تیرے تپشیا ستھان (مقام عبادت) کی زیارت کو آرہے ہیں۔ غرض جو راستہ تو دکھا رہا ہے وہ وہ شاہ راہ حقیقت ہے جس پر ہر ادنی و اعلی منزل مقصود تک پہنچنے کا امکان رکھتا ہے —

بدھ! تیری ظلمت سوز تعلیم نے دنیا کو روشن کر دیا۔ دولت۔ حکومت تیرے احسان مندوں کی ہمنوائی کر رہی ہے۔ تیری اس تعلیم کے طفیل میں امن و اطمینان کو

حکمرانی کا موقع ملا۔ظلمت کدۂ دنیامیں یہ جلوہ ریزی دیکھہ کر خلق تجھے مہاتما بدھہ کہہ رہی ھے۔میں بھی مہاتما کے لفظ کے اضافہ سے تیری سمع خراشی ذرا دیر اور کروں گا—

مہاتما بدھہ سے خطاب

مہاتما بدھہ! تیری زندگی کا مقصد پورا ھوگیا۔اب تو جا اور اپنی بوسیدہ ھڈیوں کو ھمیشہ کے لئے سپرد خاک کردے۔لیکن قبل اس کے کہ تیرا مرغ روح پرواز کرے اخیربار وہ ترنم ریزی کر جس سے دلوں پر وھی وجدان رھے۔تیرا عزیز شاگرد نندا تیرے سامنے سر نہوڑاے بیٹھا ھے۔اس سے تو کیاھی رس بھری آواز میں کہہ رھا ھے "اے نندا"! میرا آفتاب عمر غروب ھونے کو ھے۔میں نے زندگی کے آسی (۸۰) برس جو میری تقدیر میں تھے پورے کر لئے۔اب میرا جسم ٹوٹی پھوٹی گاڑی کی طرح مشکل سے حرکت کرسکتا ھے۔آیندہ سے تم خود اپنی شمع بنو اور خود ھی اپنا بچاو کرو۔کسی اور جگہ پناہ نہ لینا۔ حق دارالاماں ھے۔جب میں نہ ھوں تو وہ حقائق و اوامر جو میں نے تم کو تعلیم کئے ھیں تمھارے رھبر ھوں گے۔ اُنھی کی پیروی کرنا"—

اجل سر پر منڈلا رھی ھے۔لیکن تو نہایت اطمینان سے

حق پرستی کی تلقین کر رہا ہے۔ تیرے دردمند دل سے وہی صدائے حق نکل رہی ہے۔ اُدھر پیام موت کا انتظار۔ اِدھر پیام حق سنانے کا اشتیاق۔ اس کشمکش میں بھی تو تبلیغ حق میں سرگرم ہے۔ بس کر۔ اور اب تو آخری سانس اس اُمید میں لے کہ تیرے شاگرد اور چیلے تیرے راستے پر چلیں گے۔ ہر کس و ناکس تیرے دھرم کی تبلیغ میں کوشاں رہیگا۔ حکومت اقطاع عالم میں واعظوں کو پھیلا کر تیرے دھرم کی اشاعت کرے گی۔ ملکوں میں تیرے دھرم کا ڈنکا بجے گا۔ شہروں میں تیرے دھرم کی پکار ہوگی۔ بازاروں میں تیرے دھرم کی چہل پہل ہوگی۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں تیرے ہی دھرم کی آوازیں گونجیں گی —

لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تیرا دھرم عمل سے گزر کر کہیں کتاب کی سرحد میں داخل نہو جاے۔ زباں کا لباس بدل کر کہیں دوسرے برقع میں روپوش نہ ہو جاے۔ خیر۔ تو معاف کر اور جا۔ تیرے بعد اگر خدانخواستہ یہ قصہ ظہور کرے تو ہر ممکن طریقے سے سناؤں گا —

———:O:———

یہ سچی تعلیم بہ سرعت دنیا کے دور دراز حصوں میں اثر کر گئی لیکن زمانے کے انقلاب اور علی الخصوص ہندوستان میں علما (برہمن قوم کے) کی وجہ سے یہ دھرم

تقریباً مٹ گیا - خیر - جو کچھه هوا برا هوا - اب فکر کرنی چاهئے یه الم ناک داستان کسی طرح مہاتماجی کے گوش زد هو جاے - سنا هے که اجنتّه و ایلورا کے غاروں میں عقیدت کے سنگ تراشوں اور مصوروں نے مہاتما جی کو همیشه کے لئے زندہ کردیا هے - غرض وهاں مہاتماجی عقیدت کیش مصوروں کی بدولت مل سکتے هیں - اب ان سے ملاقات کرنی چاهئے - لیکن ان سے یه حسرت ناک داستان صاف صاف لفظوں میں نه سننا چاهئے بلکه دوسرے ڈهنگ میں —

مہاتما جی کی رنگیں تصویر

یا سنگی مورت سے خطاب

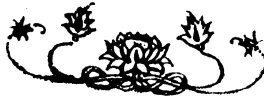
اُو لذات روحانی کے دهنی - نرواں کے حامی - امن و صلح کے هادی - اُتهه اور مکروهات دنیا کے گرفتاروں کو نجات دلا - حرص و آز کو مٹا - کشت و خون کو امن و سکون سے بدل - مکر و فریب کو راستی و دیانت کے هاتهوں صفحهٔ دهر سے بے نشان کردے —

اُو برق استغنا ! کڑک اور گر - کڑک کے خوشامد پسند اور ممدوح کے خود فروش کانوں کے پردوں کو پهاڑ دے - گر کر خوشامد اور مدح کے آشیانه کو جلاکر خاک کردے - غرض هماری رگ رگ میں بے نیازی کا خون دوڑے - استغنا کی یه شان هو که ضروریات خود بخود بے کل هوکر رفع

ہونے لگیں - مگر او بدھہ مست - خموشی ! یاد رہے کہ "خموشی لیکن پر جوشی" کا درس ہو - تو گوشۂ تنہائی میں روحانیت پر حکمرانی کرتا تھا - اس وقت ظلمت کدۂ دنیا میں یہ ضوفشانی روا تھی - لیکن آج جب کہ تیرا جنم بھوم تہذیب کی محشر خرامی سے بیدار ہے عزلت نشینی اس کے لئے عذاب ہے - اب ایسا درس دے کہ ہم بازار دنیا میں سرگرم کار رہیں - لیکن باغ روحانیت سے نسیم خوش خرام اپنی مستانہ روی میں ہم سے اٹھکھیلیاں کرتی جاے جس کی خوشبو سے ہمارے دل مست اور دماغ معطر ہو جائیں —

شیخ چاند متعلم

اورنگ آباد کالج



نورسوں سے خطاب

از

(جناب مولوی عبدالقدیر صاحب قدیر

ایولہ ضلع ناسک)

خوابیدۂ تغافل سر گرم کار ہوجا
اُٹھہ شاہد عمل سے پھر ہمکنار ہوجا

وہ دیکھہ ہے فروزاں شمع ادب نگاری
اُس پر نثار تو بھی پروانہ وار ہوجا

تا بندۂ اُفق ہے مہر علوم حاضر
ہاں کھول جلد آنکھیں اُس سے دوچار ہوجا

خمخانۂ ادب کا پی جام روح پرور
کیف آوری سے اس کی محو خمار ہوجا

گمنامی مشاغل عزلت نشین تاکے
بام شہود پر چڑہ اور آشکار ہوجا

منوا کے اپنا لوہا لیکر خراج تحسین
اقلیم علم و فن کا اک شہسوار ہوجا

باد بہار آئی آمادۂ عمل ہو
اب تیری زندگی کا اک یہ ہی ماحصل ہو

کشت ادب کو وقف آب خیال کر دے
سرسبز بندشوں سے اُس کو نہال کر دے

کر پیشکش مرقع گلریزی قلم کا
تفسیر روزگار ماضی و حال کر دے

بھر دامن صحافت گوہر فشانیوں سے
دنیا کو آشنائے بذل و نوال کر دے

پھر مائل شغف ہو دلدادۂ تغزل
چمکا کے اُس کو مثل بدر کمال کر دے

اخلاق سوز نظمیں ہوں صرف طاق نسیاں
ایسی سخنوری کو تو پائمال کر دے

ہو مزرع دکن میں نشو و نمائے اُردو
اپنی زمین کو بھی ارض شمال کر دے

کر دل میں شوق پیدا کچھہ اکتساب فن کا
ہے کچھہ بھلا اسی میں ارباب انجمن کا



خاموش گویائی

اجنتہ کی تصویریں تیسری سے لے کر آٹھویں صدی عیسوی تک کی صنعت کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ متجسس نگاہوں کو ان تصاویر میں حسب ذیل نظارے دکھائی دیتے ہیں—

امرا مسند اور تخت شاہی پر بیٹھے ہوے ہیں۔ ان کی کمر کے گرد ایک ڈھیلا کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ اُن کی پیشانیوں پر پوت کی پٹی یا جواہرات کی کلغی آویزان ہے۔ گلے میں ایک وزنی مالا ہے۔ قیمتی بازو بند ہلکی اور سادہ پہونچیاں اور دوسرے زیورات ہیں۔ گھر سے باہر نکلتے وقت وہ سایہ کے لئے چھتری رکھتے ہیں یا تلوار۔ نیزے اور تیر وغیرہ لے جاتے ہیں۔ جھومر دار تاج جاکٹ اور پاجامے اور ایک لمبا پانچ ڈوریوں کی مالا۔ خوبصورت بازو بند اور سادہ وزنی پہونچیاں پہنتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکانات و محلات لکڑی کے تھے جو دو منزلہ تھے

اور ان کی چھتیں چوڑی-چوڑی دار یا مخروط میناروں کی تھیں اور کمرے ستونوں کے ذریعہ تقسیم کئے گئے تھے- بارگاہ شاہی میں نیلی مسندیں-گدی دار نشست-سوزنی اور تکیہ یا چوپایہ چھتری دار تخت-ایک نیچا شہ نشین-تپائیاں اور پیک دان وغیرہ نظر آتے ہیں-زنانہ کمروں میں سوفے-جدید وضع کے پلنگ-باورچی خانوں میں پتھر کی فرشی-رکابیاں-پانی کے کوزے اور پیالے ہیں-بالائی منزلوں میں سائبان دار دریچے نظر آتے ہیں—

امرا کی بیویاں اُسی مسند پر یا کسی دوسری قریب کی مسند پر اپنے خاوند کے سیدھے جانب بیٹھی ہوئی یا اپنے کمروں میں جھولتی ہوئی کوچ پر لیٹی دکھائی گئی ہیں- بعض کے بال سامنے کی طرف جھے ہوے یا ایک موبات سے پیشانی پر بندھے ہوے ہیں-بعض پھول کے تاج یا سر اور پیشانی کے زیور پہنی ہوئی ہیں-ان کا لباس مہین ریشم کا ہے—

وزیر کے جسم پر قیمتی زیور ہیں اور ایک ~~کلغی~~ کلغی ہے جو امرا کی کلغیوں سے ذرا نیچے آویزاں ہے لیکن امرا کی طرح اس کا جسم بھی کمر سے اوپر برہنہ ہے- اکثر امرا کے پاس جواہرات ہیں-ان کے سروں کے اطراف کپڑا بندھا ہوا ہے اور تمام جسم نیلے-سفید یا سنہری پوشاک

سے ملبوس اور تاروں اور زیور سے مزین ہے۔ بیگموں کے پاس بھی قیمتی جواہرات ہیں اور نہایت مہین ریشمی جامے اُن کے جسم پر ہیں—

خادموں کے پاس جواہرات کم اور کپڑے زیادہ ہیں۔قلی سر سے پاوں تک ملبوس نظر آتے ہیں۔دوسرے خادموں کے سر کے اطراف ایک کپڑا بندھا ہوا ہے اور وہ سفید آستینوں دار مرزائی پہنے ہیں۔ بعض کے کپڑے چست اور نیلے رنگ کے ہیں۔اُن کی ٹوپیاں تاج کی قسم کی اونچی ہیں اور وہ تنگ کوٹ پہنے ہوے ہیں۔مکانوں میں وہ اپنے سروں پر پانی کے برتن اور کندھوں پر رکابیاں لے جاتے دکھائی دیتے ہیں۔امیروں کے پاوں دباتے اور چوکیداری کرتے ہیں۔باہر وہ چھتریاں یا جھنڈے پکڑتے۔گھوڑے تھامتے اور گھانس یا پتوں کے گٹھے لکڑی کے سہارے لے جاتے ہیں۔اکثر خدام بونے معلوم ہوتے ہیں اور ان کا لباس بھی عجیب ہے۔لونڈیوں کے بال ہموار ہیں اور موباف سے بندھے ہوے ہیں یا گھونگھر والے ہیں اور کپڑے سے ڈھکے ہوے ہیں۔بعض کے لباس جسم پر منڈھے ہوے ہیں۔اس پر زردوزی کا کام ہے۔بعض انگیا اور دھاری دار گھاگرا یا ایک نیلا دھاریوں دار کپڑا اور چھوٹا گھاگرا پہنی ہوئی ہیں۔بعض نے بوٹے دار انگیا

پہن رکھی ھے اور اُن کے اعضا گُدے ہوے ھیں- بعض سفید پھولوں کی سیاہ انگیا اور نیلا دھاری دار لہنگا پہنی ہوی ھیں- بعض کے جسم پر لبادہ سرپر چوتی دار لباس ھے- سہیلیاں چوری یا چھتری لئے ہوئی ھیں اور پھول کی طشتریاں اور مٹھای کی کشتیاں پیش کرتی ہوی دکھای گئی ھیں- برتن اور کباب کی سیخیں لیجاتی ہوی اور کنگن اور جواھرات کے صندوقچے تھامے ہوے نظر آتی ھیں بیگموں کے کمروں میں وہ اپنی مالکہ کے سرپر پانی ڈالتی ھیں- اُس کے پاوں دباتی ھیں اور تھیلے اور برتن وغیرہ لیجاتی ھیں اور بعض وقت ھاتھہ میں لکڑی لئے سر سے پاوں تک ملبوس پھاٹک پر نگہبانی کرتی ہوی معلوم ہوتی ھیں—

ابتدای تصویروں میں تمام پیدل سپاہ ھے اور اُن کے سر یا تو ننگے ھیں یا کپڑے سے مضبوط بندھے ہوے ھیں اور ایک چھوٹی مالا اور بازوبند کے سوا سب کے جسم کمر سے اُوپر برھنہ ھیں- اُن کے ھتیار کلہاڑیاں نیزے اور سیخیں ھیں- بعد کی تصویروں میں گھوڑچڑھی فوجیں- تیرانداز- نیزہ بردار اور پیدل سپاہ نظر آتی ھے- چھوٹے دھاریدار گھاگرے پہنے ہوے ھے اور جن کے گھنے بال فیتے سے بندھے ہوے دکھائی دیتے ھیں- اِن کے ھتیار سیدھی لمبی اور خمدار

نیپالی تلواریں- نیزے کمان اور تیر- لٹھہ اور چکر وغیرہ ہیں- بعض آدمی ایسے جھنڈے اُٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی انیوں پر بیضوی قرص بنی ہوی ہے —

اگرچہ دستکاروں اور تاجروں کی تصویریں نہیں ہیں مگر لباس اور زیور سے ثابت ہوتا ہے کہ سنار جلاہے اور زردوز ہوشیار آدمی تھے- اُس زمانہ کے بازو بند آجکل کے بازوبند سے بالکل مشابہ ہیں- پالکیاں دکھائی گئی ہیں اور آدمی گاڑیوں کو کھینچ رہے ہیں- ایک تین گھوڑوں کی تصویر کے علاوہ جو پہلو بہ پہلو جتے ہوے ہیں اور جس کے اندر چار آدمی بیٹھے ہیں ایک دو گھوڑوں کا پتھر کا رتھہ ہے- جہاز بھی دکھائے گئے ہیں- جن کی کمانیاں اور پچھلا حصہ اونچا و چوڑی دار ہے یا جن میں تین مستول ہیں- ہر ایک کے بادبان تنے ہوے اور ہوا میں اُڑتے ہوے دکھائی دیتے ہیں- اُن کے بیچ کے حصے اونچے ہیں اور ان میں تین مستطیل سوراخ ہیں جن کے پچھلے حصہ کے دونوں طرف اور کمان کی ایک طرف چپو چلا سکتے ہیں- ایک جہاز موتی و مرجان کے ٹکڑے لئے جا رہا ہے اور دوسرے میں گھوڑے اور ہاتھی ہیں —

کسان گھوڑے- گائیں- بیل اور بکریاں رکھتے تھے اور موز- آم اور انگور وغیرہ کی کاشت کرتے تھے- پھول پوجا

اور بالوں کی زینت کے کام آتے تھے—

باھر کی دلبستگی کا سامان شکار تھا اور مکانوں میں لوگ گانے سنتے اور رقاصہ کے ناچ اور بازی گروں کے کرتبوں کو دیکھتے تھے- آدمی ڈھول- بانسری سنکھہ اور بگل بجاتے تھے اور عورتیں ستار اور جھانجھ بجاتی تھیں رقاصاؤں کا وھی لباس تھا جو اب ھے اور بازی گر ناگوں کو چھوٹی اور چوڑی ٹوکریوں میں لئے پھرتے تھے- شراب خواری عام شغل تھا کیوں کہ ایرانیوں کی شراب خوری کے نظارے کے علاوہ تصویروں اور تراشی ھوئی مورتوں میں مستوں کے کئی گروہ نظر آتے ھیں—

——:o:——

اجنتہ کے غار لیناپور کی وادی میں نہایت خوشنما اور تنہا جگہ واقع ھیں یہ شہر اجنتہ سے مغرب و شمالی سمت چار میل پر ھیں اور فرداپور سے ساڑھے تین میل جنوب مغربی جانب ھیں- وھاں جانے کے لئے نزدیک کا مقام پاچوڑا جو جی- آی- پی کا ریلوے اسٹیشن ھے وھاں سے اب ایک چھوٹی لائن جاتی ھے جو مہور تک پہنچادیتی ھے- مہور سے فرداپور دس میل ھے- جہاں سے چند میل پر یہ غار ھیں- پہاڑیاں خاردار جھاڑیوں سے ڈھکی ھوی ھیں اور دو پہاڑیاں جن کی چوٹیاں ھموار ھیں خاندیس کے میدان

میں ختم ہوتی ہیں۔ایک پہاڑی ندی اُس ہموار پہاڑی تک جہاں غار واقع ہیں پہونچنے سے پیشتر اجنتہ کے نزدیک دوسو فیٹ کی بلندی سے نیچے گرتی ہے۔وہ سیدھا چٹان جہاں سے غار شروع ہوتے ہیں ۲۵۰ فیٹ بلند ہے اور وہ پہاڑی ندی اُس کے اطراف نصف دائرہ کی شکل میں بہتی ہے۔کل ۲۹ غار ہیں اور سب کا تعلق زمانہ بدھ سے ہے۔یہ غار تہای میل تک مشرق و مغرب میں پھیلے ہوے ہیں۔اُن کی بلندی ۳۵ سے ۱۰۰ فیٹ تک ہے۔مشرقی جانب سے اگر شروع کریں تو ۸ سے ۱۳ تک نہایت قدیم غار ہیں—

وہ غار ہاے اجنتہ ہی ہیں جو ہندوستان کی قدیم اور قابل تعریف معماری سنگتراشی اور رنگ آمیزی کی یادگار ہیں اور زمانۂ بدھ مت یعنی دو صدی قبل عیسوی سے ساتویں صدی عیسوی تک کے ہر قسم کی دستکاری کا دلچسپ نمونہ پیش کرتے ہیں۔یہ غار یکتاے روزگار ہیں اور اپنے زمانے کی عمارتوں کی خوبصورتی اور سنگتراشی کی عمدہ صنعت کو ظاہر کرتے ہیں۔تصویریں ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا استر کاری کے کاغذ پر کھنچی ہوئی ہیں اور ہندوستان کی قدیم سوسائٹی کا آئینہ ہے —

سنگتراشی کے نمونے اپنی قسم کے بہترین نمونے ہیں اور اُنکا زیادہ تعلق مذہب سے ہے۔مشرقی غاروں کے سامنے

دالان ہیں جنپر خوبصورت اور متفرق نقش کندہ ہیں لیکن ویہارا غاروں میں یہ نقش دروازوں دریچوں اور خانقاہوں میں داخل ہونیکی جگہ پر ہیں-عورتوں اور مردوں کے مجسمے ہیں-جدید غاروں میں بغلی راستوں کی دیوار ہے-ستون اور مندر خوبصورت مورتوں اور عمدہ بیل بوٹوں سے مزین سجے ہوے ہاتھیوں شکار گاہوں کے منظروں اور انسانی شکلوں سے منقش ہیں —

تصویروں کا منظر نہایت شگفتہ ہے اور اِن سے زمانہ بدہ مت کے لوگوں کے خیالات و محسوسات کا اندازہ ہوتا ہے-اِسکی قدر و منزلت سنگتراشی سے زیادہ ہے-معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدھہ غاروں کی دیواریں چھت اور ستون تصویروں سے مزین تھے لیکن ۱۳ غاروں میں اب صرف انکی علامتیں رہ گئی ہیں اور نمبر ۱-۲-۹-۱۰-۱۶-اور ۱۷ میں رنگ آمیزی کے نامکمل حصے ہیں اور خاص طور پر دلچسپ ہیں-مورتوں کے نام سے اور حروف کے طرز تحریر سے جو بعض جگہ ہے پتہ چلتا ہے کہ تصاویر قدیمی دوسری صدی عیسوی کی ہیں اور نئی تصویریں ساتویں صدی کی-اکثر نظاروں کا تعلق تاریخ بدھہ سے ہے-بدھہ کا اشتا سے ملنا-مرا کا اُسکو ترغیب دینا وغیرہ اکثر

تصویروں میں نمایاں ھے۔کہیں وہ شاگردوں کو نصیحت کر رھا ھے۔کہیں اُسکے معجزے۔اندرا اور ساچی وغیرہ دکھاے ھیں۔ایک تصویر میں وہ گانا سن رھا ھے تو دوسری میں بیٹھا ھوا کچھہ سوچ رھا ھے۔ایک جگھہ کوئی راجہ ھاتھی سے اُتر کر اُس کی قدم بوسی کو جا رھا ھے تو دوسری جگھہ کئی آدمی اور عورتیں اُس کی خدمت میں مصروف ھیں—

ان غاروں سے ھندوستان کی مصوری کا کمال ظاھر ھوتا ھے اور اب بھی یورپ اور دیگر ممالک کے با کمال مصور انھیں دیکھہ کر حیران و ششدر رہ جاتے ھیں—

سردار سنگھ
طالب علم عثمانیہ کالج
اورنگ آباد



عادت

خوشگوار نتائج سے مربوط ہونے پر بے تکی حرکتوں میں سے بعض جاری رہتی ہیں اور وہ حرکات جن سے کسی غرض کی تسکین نہیں ہوتی ترک ہوجاتی ہیں۔ وہ حرکات جو جاری رہتی ہیں انہی کے مجموعہ کا نام عادت ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ حرکات مذہباً یا اخلاقاً کیسی ہی ہوں۔ عادت یاتو کسبی ہوگی یا فطری۔ فطری عادات اُسے کہیں گے جس کا میلان فطری ہو مثلاً مچھلی کے بچے میں تیرنے کی عادت یا آدمی کے بچے میں چلنے پھرنے بولنے کی عادت۔ اور کسبی عادت وہ ہوتی ہے جس میں عادت پڑنے کا میلان تو موجود نہیں ہوتا لیکن عادت ایک کام کو ایک یا ایک سے زائد مرتبہ کرنے کی وجہہ سے پڑجاتی ہے مثلاً بندروں کا سدھائے جانے پر طرح طرح کے تماشے کرنا یا طوطے کا سکھانے پر ہمیشہ اور ہر شخص کو دیکھکر میاں مٹھو بولنا۔

عادت کے کھوج کے متعلق اکثر تجربے کئے جاتے ہیں

ان میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ عادت کیونکر پڑتی ہے اور اس کے خصوصیات کیا ہیں۔ایک تجربہ اسی تحقیق کے لئے بندر کے بچے پر کیا گیا۔یہ بچہ ایک پنجرہ میں بھوکا رکھا گیا۔ پنجرہ کا دروازہ کھولنے کے لئے اس میں کی ایک کیل کا چھو دینا ہی کافی تھا جو کہ پنجرہ میں اسی غرض کے لئے لگائی گئی تھی۔کھانا پنجرے کے باہر رکھہ دیا گیا۔بندر چونکہ بھوکا تھا کھانے کی چیزوں کو دیکھہ کر ادھر اُدھر کودنے لگا۔کبھی ایک سلاخ کو پکڑتا تھا اور کبھی دوسرے کو اور یہ سب اس کی فطری حرکتیں ہیں۔اسی طرح کوشش کرتے کرتے تھک گیا۔لیکن بھوکا تھا اس لئے اس کی کوشش جاری رہی۔ تھکنے کے باوجود بھی وہ اِدھر اُدھر ہاتھہ مارتا رہا۔اس کو بندر کی خوش قسمتی کہنا چاہئیے کہ ایک مرتبہ اس کا ہاتھہ اُس کیل پر پڑگیا اور دروازہ کُھل گیا۔دروازہ کُھلتے ہی بندر باہر نکلا۔کھانا جو اس کے لئے باہر رکھا ہوا تھا کھایا۔کھانا ختم ہونے پر اس کو پھر بند کردیا گیا۔ دوسرے دن بھی پہلے دن کی طرح کھانا پنجرہ کے باہر رکھہ دیا گیا۔اس دفعہ بندر کی پہلے دن کی تمام بے تکی حرکتوں میں سے بہت سی بند ہو گئیں۔سلاخوں کو پکڑ کر اِدھر اُدھر کُودنا بند ہوگیا۔صرف ایک کوشش جاری رہی یعنی دروازہ کے پاس ہی اِدھر اُدھر ہاتھہ مارتا۔

اتفاقاً اس کا هاتهه اس کیل پر پڑگیا اور دروازہ کهلا- تیسری اور چوتهی مرتبه کی کوشش کے بعد بندر کی یه حالت هوگئی که وہ کهانا دیکهتے هی اس کیل پر هاتهه مارا کرتا تها-یعنی دوسرے الفاظ میں یه که وہ کهانا دیکهتے هی ایک خاص قسم کی حرکت کرنے کا عادی هو گیا تها جس سے دروازہ کهلا کرتا تها۔ یه حرکت ایک خوشگوار نتیجه سے مربوط هوتے هی ایک خاص قسم کے حرکت کے سبب سے عادت بن گئی تهی جو پہلے پہل بے تکے طور پر کی گئی لیکن جب که تین چار مرتبه اس سے کامیابی هوئی تو یه حرکت راسخ هوگئی اور وہ کهانا دیکهتے هی اس خاص حرکت سے دوازہ کهولنے کا عادی هوگیا —

یهی حال انسانی دل و دماغ کا هے-ایک هارمونیم بجانے والے کی ابتدائی حالت اور اس کی حرکتوں پر اگر غور کیا جاے تو معلوم هوگا که پہلے روز کیسی بے تکی حرکتیں اس سے سرزد هوتی هیں-اگر دهوکنی چلتی هے تو اس کی انگلیاں چلنی بند هوجاتی هیں اور جب انگلیاں چلنے لگیں تو سر بهی هلنے لگا اور دهوکنی بند هوگئی دوسرے تمام بے تکی حرکتوں میں سے بهت سی جاتی رهتی هیں اور وہ ایسے راسته پر لگ جاتا هے جو خود خوشگوار معلوم هونے لگتا هے یعنی یه که اسکا حرکتی نظام خوشگوار

نتیجہ سے مربوط ہو کر ایک خاص حرکت کا عادی ہو جاتا ہے —

عادت کی تعریف اور تجربوں پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں اس کی کتنی ضرورت ہے- بچے اوائل عمر میں کس طرح اور کن باتوں کے عادی ہوجاتے ہیں- ان میں اچھی عادتیں ڈالنے کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے- یہی بچپن کی بے تکی حرکتیں ہیں جن میں سے چند خاص جمع ہوکر عادت بن جاتی ہیں- عادت ہمارے افعال کے مجموعہ ہی کا نام ہے چند عادتیں مل کر اخلاق کہلاتی ہیں اور اخلاق جب عملی طور پر برتے جاتے ہیں تو سیرت ہوتے ہیں اور انہیں سے انسان کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے-اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کی بے تکی حرکتیں مثلاً نقالی- تقلید وغیرہ آگے چل کر کس طرح سے سیرت کے جز بنتے ہیں—

آدمیوں میں تقلید کا مادہ بہت ہوتا ہے جب کبھی ایک آدمی کو کچھہ کرتے دیکھتے ہیں اور وہ ان کو بھلا معلوم ہوتا ہو تو فوراً یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم بھی ایسا کریں گے- بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اس خیال کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت سے آدمیوں کا خیال وقتی اور عارضی ہوتا- ہے اِن خیالات کو عملی جامہ

پہنانا اُنھیں نصیب نہیں ھوتا - خاص کر بچپن میں تقلید بہت کام کرتی ھے - ھمیشہ بچہ دوسروں کو کچھہ کرتے ھوے دیکھہ کر ویسا ھی کام کرنے لگتا ھے - اس کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں ھوتا کہ آئندہ چل کر یہ کیسا ثابت ھوگا بلکہ وہ جو کچھہ کرتا ھے اضطراراً کرتا ھے - رفتہ رفتہ اس قسم کی تقلید میں غرض شامل ھونے لگتی ھے یعنی تقلید خوشی یا دل بہلانے کے لئے کی جانے لگتی ھے اور یہی کام جو تقلید کے بنا پر کئے گئے تھے رفتہ رفتہ عادت بن جاتے ھیں اور عادت بڑھتے بڑھتے فطرت ھوجاتی ھے - اس کی تشریح مولوی نذیر احمد صاحب کی کتاب توبۃالنصوح سے اچھی طرح ھوسکتی ھے جس میں فاضل مصنف نے یہ ثابت کیا ھے کہ نظیر نصیحت سے بہتر ھے یعنی تقلید کے لئے نمونہ پیش کرنا عادت ڈلوانے کے لئے کتنا کارگر ھے —

بعض اوقات عادت ڈالنے کے لئے کسی کام کا صرف ایک مرتبہ کرنا بھی کافی ھوتا ھے - جب کبھی کوئی کام ایک مرتبہ کیا جاے گا تو لازم ھے کہ اس کا خیال آتے ھی دوسری تیسری اور چوتھی مرتبہ کیا جاے گا - ذوق کا ایک شعر جو کہ شراب کے نسبت ھے اس حقیقت کے ایک رخ کو ظاھر کرتا ھے —

اے ذوق دیکھہ دختر رزکو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ھے منہ سے یہ کافر لگی ھوئی

مولانا حالی کا شعر اس سے زیادہ خوبی کے ساتھہ
اس حقیقت کو ظاہر کرتا ھے—

چھتتے ھی چھتے گا اُس گلی کا جانا
عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت (حالی)

اس کی مثالیں بے حس اشیاء میں بھی نظر آتی ھیں- ایک نئے قفل میں چابی کے پھرانے میں کتنی مشکل ھوتی ھے- دوسری مرتبہ وہ مشکل ذرا کم ھو جاتی ھے- رفتہ رفتہ قفل کے کھولنے اور بند کرنے کے لئے چابی آسانی سے پھرنے لگتی ھے- یا ایک کاغذ کو دیکھو ایک مرتبہ وہ جہاں سے موڑا گیا دوسری مرتبہ اُس کو اس جگہ سے موڑنے میں دقت نہیں ھوتی بلکہ خود بخود وہ اس جگہ سے مڑنے لگتا ھے- یہی حالت انسانی دل و دماغ کی ھے یعنی جب انسانی حرکتی افعال ایک کام سے مربوط ھو جاتے ھیں تو اس میں انہی کے کرنے کی صلاحیت پیدا ھونے لگتی ھے اور اگر وہ کام جاری رھے تو رفتہ رفتہ وہ صلاحیت عادت سے بدل جاتی ھے—

وھبی اور فطری میلان کی بنا پر بھی عادتیں پڑ جایا کرتی ھیں اور عادتیں جو اس بنا پر پڑتی ھیں انکا چھوٹنا بالکل ناممکن ھو جاتا ھے مثلاً شیر کے بچہ میں حرکت کرتی ھوئی چیز کو جھپٹ کر پکڑنے کی عادت یا بلی کے بچہ میں

حرکت کرتی ھوئی اشیاء کو جھپٹ کر پنجہ میں پکڑنے کی عادت یا آدمی کے بچہ میں جو چیز ھاتھہ میں آئے اسکو منہ تک لیجانے کی عادت - عادتیں زیادہ تر میلان کی بنا پر پڑا کرتی ھیں - اسکی تشریح اس ضرب المثل سے ھو سکتی ھے " مچھلی کے جائے کن تیرائے " —

کسی عادت کے ڈالنے کے لئے اس کے محرک کو کافی قوی ھونا چاھئے - یہ کہ ایک طالب علم جو کہ پڑھنے سے جی چراتا ھے اس کو پڑھنے کی عادت ڈالنے کے لئے ایسے اصول مرتب کرنا چاھئے جس سے وہ گریز نہ کر سکے اور اگر گریز کرے بھی تو اس کو اس چیز سے محروم کردینے کا خوف دلانا جو کہ اس کو بہت ھی پسند ھے مثلاً اس طالب علم کو امتحان میں کامیاب ھوجانے پر ایک خوشنما دوات دینا یا اس سے محروم کردینا - ملازم ھمیشہ جو نوکر ھونے سے پہلے اس کام کے عادی نہیں ھوتے لیکن صرف اس خیال سے اگر کام نہ کریں تو تنخواہ میں کمی واقع ھوگی اپنے آپ کو اس کام کے عادی بنا لیتے ھیں - اس خوف کا خیال ملازم کو اس کام کا عادی بنا دیتا ھے یہ عادت ان میں محض اس لئے پڑتی ھے کہ اس کا محرک کافی قوی ھوتا ھے —

کسی کام کی عادت ڈالنے کے لئے اسے لگاتار یا بار بار کرنے کی ضرورت ھے اگر اس میں خلل واقع ھوا تو عادت

کا قایم ہونا مشکل ہے مثلاً ایک طالب علم جو کہ رات میں دس بجے تک اور صبح چار بجے سے اُٹھکر پڑھنے کا عادی ہو لیکن دو چار روز وہ کسی وجہ سے اس کی پابندی نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی عادت میں خلل واقع ہونے لگے گا۔ اول اول اس کو اس کے بدلنے پر کچھہ تکلیف بھی ہوگی لیکن رفتہ رفتہ وہ اس عادت کا عادی ہوتا چلا جاے گا یہاں تک کہ اس کو اپنی پہلی عادت کے حاصل کرنے میں اسی تکلیف کا سامنا ہوگا جس کا پہلے ہو چکا ہے۔یہ ایک بات کا ثبوت ہے کہ جسے ہم عام طور پر ترک عادت کہتے ہیں وہ بھی عادت ہی ہے اور ترک عادت میں وہی تمام ابتدائی دقتیں پیش آتی ہیں جو نئی عادت کے ڈالنے میں ہوتی ہیں —

ان سب کے علاوہ کسی عادت کے ڈالنے کے لئے دوسری باتوں میں قوت ارادی سے کام لیتے رہنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً صبح اُٹھنے کی عادت اگرچہ پڑھنے اور نہ پڑھنے سے متعلق نہیں ہے لیکن اگر طبیعت پر جبر کرکے اٹھا جاے تو قوت ارادی مستقل رہیگی اور دوسری عادتوں کے ڈالنے میں آسانی ہوگی۔اگر چند روز تک ارادی قوت کام میں لائی جائے تو وہ کام جو قوت ارادی کے تحت میں کئے جاتے تھے اب اضطراراً بغیر کسی جد و جہد کے سرزد

هونے لگتے ہیں- جیمس صاحب نے اپنی کتاب پرنسپل آف سائکلوجی میں ایک فوجی اور مسخرہ کی مثال دی ہے یعنی فوجی اپنا کھانا لے کر سڑک سے جا رہا تھا- مسخرہ کو یہ دیکھہ کر مسخرہ پن سوجھا اس لئے اس نے زور سے "اٹینشن" (Attention) کہا- فوجی نے اپنے دونوں ہاتھہ فوراً قاعدہ کے موافق چھوڑ دیے- گوشت آلو وغیرہ جو وہ لئے جا رہا تھا نالی میں گر گئے- اب ظاہر ہے کہ ابتداء میں فوجی قوت ارادی کو کام میں لا کر اس حکم پر عمل کیا کرتا تھا اور جوں جوں وہ اس پر کار بند رہا وہ کام اضطراراً ہوتا گیا—

جب انسان کسی بات کا عادی ہوجاتا ہے تو اسکے نتیجہ کی خوشگواری کم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ سلب ہوجاتی ہے- کام محض ذاتی غرض کے لحاظ سے کیا جاتا ہے اس عادت کی طلب تسکین چاہنے لگتی ہے اور جب تک تسکین نہ ہو بے چینی رہتی ہے- مثلاً ایک شخص جو صبح اُٹھکر ورزش کرنے کا عادی ہے تو ظاہر ہے کہ پہلے پہل اسکو اس عادت کے ڈالنے میں کچھہ تکلیف ضرور ہوتی ہے- تکلیف اُس کو اِس لئے محسوس نہیں ہوتی ہے کہ محض یہ خیال کہ وہ آیندہ چلکر ایک پہلوان ہوگا یا صرف اسکا جسم اچھا رہیگا- اسمیں عام لوگوں سے زیادہ طاقت ہوگی- کچھہ دنوں

تک ورزش کرنے کے بعد اس کو لطف حاصل ہوتا ھے لیکن رفتہ رفتہ یہ لطف کم ہونے لگتا ھے - یہاں تک کہ جب وہ ورزش کرنے کا عادی ہوجاتا ھے تو وہ لطف جو اُسکو ورزش کرنے بعد حاصل ہوا کرتا تھا غائب ہو جاتا ھے - غالب کا یہ مصرعہ عادت ہی کے اثر کو ظاہر کرتا ھے —

مشکلیں اتنی پڑیں مجھہ پر کہ آساں ہوگئیں

مختصر یہ کہ عادت کی اہمیت ہماری زندگی میں بہت کچھہ ھے - اگر ہمارے میلانات میں یہ خاصیت نہ ہوتی کہ وہ مل جل کر عادت بن جائیں تو ہمارے ہر ایک کام "ہنوز روز اول است" کا مصداق ہوتے —

محمد ایوب خاں
متعلم سینیر انٹرمیڈیٹ
عثمانیہ کالج اورنگ آباد



شہر کا نظارۂ شب

گھڑیالی نے تن تن دو بجائے—

شمع دم واپسیں لے رہی ہے-تھتاتی ہوئی شمع شمعدان کی پگھلی ہوئی چربی کی وجہ سے کبھی مدھم پڑجاتی اور کبھی بھڑک اُٹھتی ہے—

نیند کے متوالے چوکی دار خواب غفلت میں ہیں—

دن بھر کے تھکے ماندے محنتی مزدور رات کو چین پاکر میٹھی نیند سو رہے ہیں—

تخیل-ارتکاب گناہ-یاس و نا اُمیدی اور شغل بادہ نوشی نے بیداری کو زندہ کر رکھا ہے-بادہ نوش جام پر جام لنڈھا رہے ہیں-چور چکار دبے پاؤں شب گشت میں مصروف ہیں-مرتکبان خود کشی اپنے ہی دست ناپاک سے اپنی جان شیریں مٹانے کے تہیہ میں ہیں-ایسے وقت میں قدامت کے صفحات بوسیدہ کی ورق گردانی سے تضیع اوقات کے سوا کچھھ حاصل نہیں نہ ہمعصروں کے تاربود خیال میں گرفتار ہونا مقتضاے دانشمندی ہے—

آؤ اِس وقت اِس سنسان راستے کی سیر کریں۔ جہاں نخوت جو ہر آن نئے روپ بدلا کرتی ہے کچھہ دیر پیشتر مصروف خوش خرامی تھی اور نمود و نمایش کی گرم بازاری کے بعد مچلنے والے بچوں کی طرح جو کبھی مطمئن نہیں ہوتے اور اپنی خواہش برآنے پر مجبوراً خاموش ہو جاتے ہیں اب سرد مہری سے کام لیا جا رہا ہے —

یہہ کیسی افسردگی چھائی ہوی ہے۔ بجھنے والی شمع کی مدھم روشنی اپنی زرد کرنیں پھیلا رہی ہے۔ گھڑی کی ٹک ٹک یا کتوں کے بھوکنے کے سوا کوی آواز سنائی نہیں دیتی۔ انسانی غرور و نخوت کی شورا شوری کا اب وہ عالم نہیں رہا —

ایسے ہی اوقات سے کبر و نخوت کی تہیدستی کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب ایسا ہنگامی سناٹا مداومت کا رنگ اختیار کر لے اور بسنے والوں کی طرح خود بستی بھی نیست و نابود ہو کر اِس کے بجاے صحرا و بیابان کا منظر پیش نظر ہو —

کوی ایسا شہر نظر نہ آئے گا۔ جو اسی طرح اپنی عظمت۔ فتوحات ولامحدود شادمانی میں ہمیشہ ہمیشہ شہرۂ آفاق رہا ہوا اور کوتاہ اندیشی کے باوجود ان مٹ ثابت ہوا ہو —

اخلاف ایسی بستیوں کے کھوج لگانے سے عاجز ہیں-
دل گرفتہ مسافروں کا اکثر و بیشتر ایسے ویرانوں میں
گزر ہوتا ہے اور ایسے مقامات کو دیکھہ کر اُن کی آنکھیں
کُھلتی اور اگلے زمانہ کی عارضی و ناپایدار مقبوضات کی
قلعی کُھلتی ہے—

یہاں ایک زمانہ میں کوہ وقار قلعہ تھا-جس کی
دیواروں سے بوسیدگی کے آثار نمایاں ہیں-اس جگہ کسی
قوم کا دارالشوریٰ تھا جو اب زہرآلود کیڑے مکوڑوں
کا مسکن ہے-کہیں معابد و تماشا گاہیں تھیں-جو اب محض
تودۂ خاک ہیں-یہ سب مقامات شکست و مسمار ہو چکے-
کیوں کہ حرص و تعیش نے پہلے ہی اُن کی بنیاد کھوکلی
کر دی تھی—

بجاے اس کے کہ حکومت کارآمد اشخاص کی حوصلہ
افزای کرتی صرف دل خوش کن افراد کی قدردانی پر
وہ مائل رہی-ایسے ممالک کی دولت و ثروت نے حملہ
آوروں کی توجہ اپنی جانب منعطف کرای اور گو انہیں
شروع میں پسپای نصیب ہوی-لیکن استقلال نے فتحمندی کا
سہرا اُن ہی کے سر باندھا اور مدافعت کرنے والوں کا نام
و نشان صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گیا کہ اُس کی
نظیر ملنی مشکل ہے—

جن گلی کوچوں میں چند گھنٹے قبل چہل پہل ہو رہی تھی اب وہاں بہ مشکل اکا دکا نظر آتا ہے۔جو لوگ نظر آتے ہیں اب وہ اپنی روز مرہ کی بناوٹ سے عاری ہیں اور اس وقت کوی کوشش اپنی مصائب و الم کے اخفا کی نہیں کرتے—

فرش خاک پر آرام کرنے والی کون ہستیاں ہیں؟ جو پیٹ بھروں کے دروازوں پر سر رکھہ کر اپنی بدبختی کو تھوڑی دیر کے لئے بھولی پڑی ہیں—

یہ لوگ یا تو اجنبی ہیں یا آوارہ وطن یا یتیم و بیکس جن کی حالت زار لا علاج مرض ہے اور جن کی زبون حالت اس درجہ پست ہے کہ کسی ہمدردی کی انہیں توقع نہیں۔اُن کی حالت پر بجاے رحم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔بعض بالکل تن برہنہ ہیں جن کے جسم پر ایک چیتھڑا بھی نہیں۔بعض مبتلاے امراض ہیں۔دنیا والوں نے اُن سے بالکل بے تعلقی کر رکھی ہے۔خوشحال افراد نے اُن سے نظر پھیر لی ہے اور انہیں برہنگی و گرسنگی میں آلودہ چھوڑ دیا ہے—

اِن ننگی بھوکی ہستیوں میں کچھہ ایسی بھی ہیں جنہوں نے اچھے دن دیکھے تھے اور کبھی اُن کے حسن و جمال کا ڈنکا بجتا تھا۔عیاشوں کی بد افعالیوں نے انہیں اس درجہ

پر پہونچا دیا کہ وہ اب تن عریاں موسموں کے مصائب و آلام برداشت کر رہی ہیں- اس وقت شاید وہ انہیں عیاشوں کے دروازوں پر پڑی اپنی حالت زار پر اُن کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش میں ہیں جنہوں نے کسی زمانہ میں ان کی عصمت ریزی کی تھی اور اُن کے جوبن کے مزے لوٹے تھے- لیکن اب اُن سنگ دلوں میں کوئی احساس باقی نہیں رہا یا ان بادہ نوشوں کے پاس اپنی حالت زار کا اظہار کرنے آے ہیں جن سے سواے لعن طعن کے کسی امداد کی توقع نہیں ہو سکتی—

افسوس میں کیوں ایسا انسان پیدا ہوا جو ان مبتلاے آلام کی مصیبت دیکھتا ہوں اور اُن کی امداد کرنے سے عاجز ہوں- غریب خانماں برباد ہستیاں! اهل دنیا ان پر لعن طعن کرنے میں تو کوتاهی نہیں کرتے لیکن دست امداد دراز کرنے سے دست کشی کرتے ہیں—

بڑے لوگوں کی ذرا سی تکلیف یا امرا کی فرضی پریشانی کا طومار باندھا جاتا ہے اور اس طرح مبالغہ آمیز طور پر اُن کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جذبات ہمدردی و توجہ خواہ مخواہ اُن کی جانب منعطف ہوتے ہیں- بیچارے غریب دکھیارے روتے ہیں اور کوئی شنوائی نہیں ہوتی ظالموں کے چیلے چاپڑے اُن کی ایذا رسانی میں کوئی

دقیقه اٹھا نہیں رکھتے اور ہر قسم کے قوانین جو اور دوسروں کی حفظ و اماں کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں ان مظلوموں کے جانی دشمن ہیں—

مرا دل خدا نے کیوں ایسا بنایا کہ ایسی حالتوں سے اس پر ٹھیس لگتی ہے-کیوں میری قسمت ایسی نہ ہوئی کہ دل کی ہوس پوری ہوتی- نرم دلی جو مصیبت دور کرنے سے عاجز ہو اُس شخص کو جس کا دل ایسی حالتوں سے موثر ہوتا ہو حاجت مند سائل سے زیادہ دل گرفتہ بنا دیتی ہے — خدا حافظ

(گولڈسمتھ)　　　　　　افضل حسین فاروقی



اخبار کلیہ

وظایف تعلیمی

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ میں اعلی تعلیم کے اخراجات اس قدر بڑھے ہوے ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھانا ہرکس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے اور اکثر اسی وجہ سے بہت سی ہونہار طبیعتیں ابھرنے نہیں پاتیں اور ملک و قوم کو ان کی فطری ذہنی صلاحیتوں سے پوری طرح فیض پانے کا موقع نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے امدادی اور تعلیمی وظایف آج کل ہر جدید ادارۂ علمی کا جز و لازم ہوتے ہیں —

ہمارے کالج کو قائم ہوے اگرچہ بہت زمانہ نہیں گزرا۔ لیکن سرکار عالی کی علم پروری اور مخیرالطبع اصحاب کی طلبا نوازی کی بدولت اس تھوڑے سے عرصہ میں ہمارے یہاں وظائف کی اچھی خاصی تعداد فراہم ہوگئی ہے اور حیدرآباد جیسے شہر کے مقابلے میں ہمارے حلقۂ عمل کی تنگی کو دیکھتے ہوے جو کچھہ بھی ہوا یقیناً ہمت افزا ہے —

اس ضمن میں ہم خاص کر نواب عمادالملک مدظلہ کے نہایت شکر گزار ہیں۔ بہت کم اصحاب کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کالج کے قیام کے اصل محرک نواب صاحب ممدوح

ھی ھوے اور انہیں کی بدولت اورنگ‌آباد کویہ برکت حاصل ھوئی۔ نواب صاحب ابتداےقیام کالج سے بیس روپیہ ماھانہ وظائف عطا فرما رھے ھیں۔ نواب صاحب کو اورنگ‌آباد کی تعلیمی حالت اور یہاں کی حرفت و صنعت کا خاص خیال ھے اور ھیشہ اس کے متعلق دریافت فرماتے رھتے ھیں—

ھم مسٹر بیزن جی فریدونجی کی فیاضی اور طلبا نوازی کے بھی بہت ممنون ھیں۔ مسٹر بیزن جی ھر نیک اور مفید کام میں مدد دینے کے لئے ھمیشہ آمادہ رھتے ھیں۔ طلبا دور دور سے ان کا نام سن کر امداد کے لئے آتے ھیں اور ان کی فیاضی سے فائدہ اٹھاتے ھیں۔ اس کالج کو وہ پینتیس روپیہ ماھانہ کے وظائف دے رھے ھیں۔ مسٹر بیزن جی در حقیقت فخر جالنہ ھیں—

وظائف کی تفصیل ذیل میں درج ھے—

وظائف	تعداد	مقدار ماھانہ
سرکاری وظائف		
سال اول	۸ (فی ۱۰ روپیہ)	۸۰ روپیہ
سال دوم	۸ (فی ۱۰ روپیہ)	۸۰ روپیہ
عالی جناب نواب عمادالملک بہادر		۲۰ روپیہ
جناب مسٹر بیزن جی فریدونجی		۳۵ روپیہ
پرنسپل و پروفیسران کالج		۶۰ روپیہ

رفیع اسکالرشپ | صوبہ اورنگ آباد کے ناظم عدالت حاجی محمد رفیع صاحب کے تبادلہ کے وقت وکلاء ان کے احباب اور ماتحت اصحاب نے وداعی دعوت کے لئے کچھ رقم جمع کی تھی۔ پرنسپل صاحب کی تحریک پر ان تمام اصحاب نے نیز حاجی صاحب نے اپنی عنایت سے یہ منظور فرما لیا کہ یہ تمام رقم اورنگ آباد کالج کو دیدی جائے۔ اگر رقم کافی ہو تو اس کی آمدنی سے حاجی صاحب کے نام سے وظیفہ مقرر کردیا جائے ورنہ انعام یا تمغہ کا انتظام کردیا جائے۔ افسوس ہے کہ اس تجویز کا خیال ایسے وقت میں آیا کہ حاجی صاحب کے جانے میں صرف چند ہی روز باقی رہ گئے تھے ورنہ غالباً چندہ میں کافی اضافہ ہوجاتا۔ تاہم اورنگ آباد۔ جالنہ اور ناندیڑ سے جو رقم وصول ہوئی اس کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ ناندیڑ میں سب سے آخر میں کوشش کی گئی لیکن سب سے زیادہ رقم وہیں سے وصول ہوئی جس کے لئے ہم میر باسط علی خاں صاحب ناظم عدالت ضلع اور مولوی ثابت علی صاحب عباسی منصف ناندیڑ کے ممنون ہیں—

۱- اورنگ آباد ۴۰۶ روپیہ حالی

۲- جالنہ ۸۵ روپیہ حالی و ۵۰۰ روپیہ کلدار

۳ ناندیڑ ۱۰۰۴ روپیہ حالی

چنانچہ انتظامی مجلس کے راے سے جس میں شہر کے سر برآوردہ وکلا اور عہدہ دار شریک ہیں یہ طے پایا کہ اس رقم سے انجمن‌ھاے اتحادی کے مرکزی بنک (اورنگ‌آباد) کے حصص خریدے جائیں اور ان کی آمدنی سے کالج کے مستحق طالب علم کو وظیفہ دیا جاے-وظیفہ کا دینا پرنسپل اور اُن کے پروفیسر کی راے پر چھوڑا جاتا ھے—

کالج کی انجمنیں

نصاب تعلیم کی پابندی اور انتظامی قیود کے علاوہ ھر کالج میں اس قسم کی انجمنوں کا وجود بہت کچھہ ضروری ھے-علمی فوائد کے علاوہ صحیح معنوں میں طلبا کی سیرت کے بنانے میں مدد دینے والی اور انہیں زندگی کی ذمہ داریوں کے لئے تیار کرنے والی یہی داخلی جماعتیں ھوتی ھیں-ھمارے کالج میں اب تک حسب ذیل انجمنیں قایم ھوچکی ھیں اور بہت کچھہ کامیابی کے ساتھہ چل رھی ھیں—

College Union

یہ انجمن مباحثہ ھے-اس کے صدر اور معتمد کا انتخاب طلبا کی جماعت سے کیا جاتا ھے-دونوں کی مدت عہدہ ایک سال ھے-اس انجمن کے جلسے دو ھفتے میں ایک مرتبہ ھوتے ھیں اور انگریزی میں مباحثے ھوتے ھیں-ابھی تک طلبا کی جھجک پورے طور

پر نہیں نکلی ھے اور مقررین کو آمادہ کرنے کے لئے بہت کچھہ ترغیب کی ضرورت ھوتی ھے-لیکن آئندہ کے لئے اس انجمن کی ذات سے بہت کچھہ امیدیں وابستہ ھیں- اس انجمن کی سرپرستی میں اکثر باھر کے اصحاب کی تقریریں بھی ھوتی ھیں-اس سال حسب ذیل اصحاب نے اپنے خیالات سے طلباے کلیہ کو مستفیض فرمایا—

(۱) مسٹر آیر مختصر نویسی

(۲) پروفیسر کروے بانی تعلیم نسوان پونہ زنانہ جامعہ نسوان پونا یونیورسٹی

بزم اردو

ھئیت انتظامی کے اعتبار سے یہ بزم College Union کی طرح ھے- لیکن اس میں مباحثے اردو میں ھوتے ھیں اور ان میں بہت کچھہ دلچسپی ظاھر کی جاتی ھے-اس انجمن کے صدر ھمارے پروفیسر دینیات مولوی منظور محمد صاحب ھیں-معتمد کا انتخاب طلبہ میں سے ھوتا ھے-اس کے جلسے بھی پندرھویں روز ھوتے ھیں-اس انجمن کی سرپرستی میں بھی باھر کے اصحاب کو مدعو کیا جاتا ھے-چنانچہ سال گزشتہ جناب حافظ ساجد علی صاحب عباسی وکیل ھائی کورٹ اورنگ آباد نے ریاست حیدرآباد کی ملکی صنعتوں کا بیان اور ان کی ترقی کے امکانات پر ایک مبسوط تقریر فرمائی-یہ جلسے عام

ہوتے ہیں—

کھیل علمی انجمنوں کی طرح کھیل کا انتظام بھی ہر کالج کے لئے ضروری ہے۔بڑے بڑے کالجوں میں خاص اس مد کے لئے بڑی بڑی رقمیں منظور کی جاتی ہیں اگرچہ بد قسمتی سے اس وقت تک ہمارا کالج اس سرکاری امداد سے محروم ہے جس کا بحیثیت کالج ہونے کے وہ مستحق ہے تاہم یہ امر نہایت قابل اطمینان ہے کہ پہلے سے ہائی‌اسکول اور فوقانیہ عثمانیہ میں کھیلوں کا شوق چلا آرہا ہے اور اب ان کے کالج میں ضم ہونے سے یہ شوق اور بڑھ گیا ہے۔اورنگ‌آباد ٹورنمنٹ سابق مدرسۂ فوقانیہ کی زیر پرستی کئی سال سے بہت کامیابی کے ساتھہ چل رہا ہے اور سالانہ مقابلہ اس کے ہردلعزیز معتمد محمد ابراہیم صاحب ایم-اے لکچرار کی نگرانی میں بہت کچھہ فروغ ہوا ہے-کالج کے قیام کے بعد سے اس میں کریکٹ کا بھی اضافہ ہوا ہے-ہمیں امید ہے کہ اس ٹورنمنٹ کی رونق سال بہ سال بڑھتی جائیگی اور اورنگ‌آباد کی پبلک اپنی اس قابل فخر چیز کو ضائع نہ ہونے دے گی-انسانوں کی طرح اِداروں (Institutions) کی بھی جان ہوتی ہے-ضد اور مخالفت کی وجہہ سے وہ بھی مرجاتے ہیں—

معمولاً ہمارے کالج میں حسب ذیل کھیلوں کا انتظام

هے جو تقریباً طلبا کے ہاتھہ میں ہے —

کریکت

ہاکی

فت بال

بیڈمنٹن

ٹینس

تفریح | ٹورنمنٹ کے آغاز کے وقت سے اب تک ہر سال اس موقع پر ایک ڈراما ہوا کرتا تھا - بدقسمتی سے ہمارے مروجہ اردو ڈرامے کچھہ اس قدر بدمزہ ہوتے ہیں کہ عام طور پر لوگوں کو کسی کالج یا مدرسہ کے ساتھہ اس کا تعلق گوارا نہیں ہوتا - اِمسال ہم نے اس میں یہ تبدیلی کی ہے کہ بجاے ڈرامے کے سالانہ جلسے کے موقع پر ایک جلسہ نظم‌خوانی کا ہوا - اس کا پروگرام بہت کچھہ دلچسپ تھا اور عام طور پر پسند کیا گیا - آیندہ کے لئے خیال ہے کہ چیدہ ڈرامے کافی مشق کے بعد کئے جائیں تاکہ پبلک کا مذاق بھی درست ہو اور خود ڈراما کرنے والوں میں ادب عالیہ کی اس اہم شاخ کی طرف سے دلچسپی پیدا ہو—

——:O:——

سیر (Excursion) | اس سال ہمارے کالج کے طلبا جناب پرنسپل صاحب اور دو لکچرار صاحبان

کے ھمراہ ایجنتہ کے غاروں کے دیکھنے کے لئے گئے۔ تھیرنے وغیرہ کا انتظام قبل از قبل کر لیا گیا تھا۔ ایجنتہ کے قابل مہتمم مولوی سید احمد صاحب کی عنایت سے یہ سفر بہت کامیاب رہا

خوب غور کے ساتھہ اس قدیم یادگار کے چپہ چپہ کی سیر کی گئی اور عام سیاحوں کے دستور کے خلاف ھر چیز کو نئی اور تاریخی اعتبار سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ ھمیں امید ھے کہ نئے سال تعلیمی کے آغاز میں ھمارے طلبا دیگر قابل دید مقامات کا سفر کرسکیں گے۔ خدا کا شکر ھے کہ ھمارے اورنگ آباد میں سیر کے قابل مقامات کی کمی نہیں ھے۔ صرف چشم بینا اور اثر قبول طبیعت کی ضرورت ھے—

"دفن ھوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ھرگز"

اقامت خانے

پہلے اورنگ آباد میں دو بورڈنگ ایک دوسرے سے علیحدہ تھے۔ ایک مدرسہ فوقانیہ کا اور دوسرا ھای اسکول کا۔ بعد میں دونوں ضم ھوگئے تھے۔ اب فوقانیہ بورڈنگ علیحدہ ھے اور اس میں انٹرینس اور سکستھہ فارم تک کے طلبا رھتے ھیں اور کلیہ عثمانیہ کا علیحدہ۔ اس بورڈنگ کی عمارت بھڑکل دروازے سے ملی ھوی ھے۔ سردست ایک مکان کرایہ پر لیا گیا ھے جو وقتی ضروریات کے اعتبار سے ضرور کافی ھے لیکن آیندہ کی

ضرورتوں کے لئے شاید کفایت نہ کرے - ہم اس خاص مد میں حیدرآباد کے جگمگاتے ہوئے اقامت خانوں کا مقابلہ تو نہیں کرسکتے لیکن یہ کوشش ضرور ہے کہ جائز آسایش اور حقیقی تعلیمی سہولتوں کے اعتبار سے ہمارا بورڈنگ ہر طرح سے کامیاب ثابت ہو —

انتظامی حیثیت سے کالج میں طلبہ کی ذمہ داریاں

لوگ عام طور پر Self Government (خود انتظامی) کو صرف مدارس ثانویہ کے لئے موزوں سمجھتے ہیں اور کالجوں کے سلسلہ میں اس کا نام نہیں سنا جاتا - لیکن چونکہ ہمارے کالج کی ایک خاص نوعیت ہے اور جماعتہاے فوقانیہ اس کا بڑا جز ہیں اس لئے ہم نے بھی اپنے طلبا میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کی غرض سے کچھ داخلی عہدہ دار مقرر کئے ہیں - یہ عہدہ دار سب کے سب طلبا ہوتے ہیں اور جماعتیں ان کا انتخاب کرتی ہیں - ہمارے ہاں حسب ذیل عہدہ دار ہیں —

نائب صدر یونین	احمد حسین قدوای	سال دوم
" بزم اردو		"
معتمد یونین	سردار سنگھہ	سکستھہ فارم
" بزم اُردو	"	"
کپتان ہاکی	ایوب خاں	سال دوم

کپتان فٹ بال	عبداللہ	سال دوم
سکریٹری ٹینس	رضی الدین	سکستھہ فارم
پولس کمشنر	عبدالحفیظ	سکستھہ فارم

ان عہدہ داروں سے حسب ضرورت رائے لی جاتی ھے اور چوں کہ ھمارے طلبا اپنی ذمہ داری کا کافی احساس رکھتے ھیں اس لئے مرکزی اور داخلی انتظام میں تصادم کا کوی احتمال نہیں ھے —

دارالمطالعہ

یہ دارالمطالعہ پبلک حیثیت رکھتا ھے۔ اسے قایم ھوے ایک سال ھو چکا ھے۔ جناب صدر صاحب کلیہ کی تحریک پر شہر کے مخیرالطبع اور علم دوست حضرات نے یکمشت امداد اور ماھانہ چندوں سے اسے قایم کیا ھے۔ اس میں ھمارے ملک کے اردو۔ انگریزی اور مرھٹی کے بہترین اخبارات و رسائل آتے ھیں۔ ایک فارسی اخبار حبل المتین اور ایک فارسی رسالہ ایرانشہر بھی آتا ھے۔ یہ دارالمطالعہ ۵ بجے شام سے رات کے ۸ بجے تک کُھلا رھتا ھے۔ چونکہ ابھی رقومات چندہ بر وقت وصول نہیں ھوتی ھیں اس لئے روشنی کا انتظام دارالمطالعہ کی حیثیت کو دیکھتے ھوے بہت زیادہ قابل اطمینان نہیں ھے لیکن یہ دقت بہت جلد رفع ھو جاے گی —

ھمیں امید ھے کہ یہ دارالمطالعہ شہر کا علمی مرکز بنیے گا

اور اس کی کرنیں کلیه کی چاردیواری کے باهر بهی پهیلیں گی اور عوام الناس کے سینوں کو منور کریں گی- اس کی کامیابی کا کُل و جز انحصار پبلک کی مدد اور علم دوستی پر هے اور همیں امید هے که ان دونوں چیزوں سے دریغ نه کیا جاے گا —

بخوف طوالت هم اس موقع پر اخبارات و رسایل کی پوری فهرست درج نهیں کرسکتے صرف مختلف زبانوں کے رسائل اور اخبارات کی تعداد دی جاتی هے —

	اخبار	رساله
انگریزی	۴	۵
اُردو	۶	۹
هندی	–	۱
مرهٹی	۱	۲
فارسی	۱	۱
	۱۲	۱۸

پور فنڈ | اس کی اهمیت کا اندازه صرف وهی تعلیم گاهیں لگا سکتی هیں جو شهروں سے دور مضافات میں واقع هیں اور جن میں نادار طلبا کی کثرت هوتی هے- همارے کالج میں اس فنڈ کی خاص طور پر ضرورت هے- اس سے اگر ایک طرف طلبا میں ایک دوسرے کی مدد کا

خیال پیدا ہوتا تو دوسرے طرف غریبوں کی تعلیم کا انتظام بھی ہوتا ہے۔اس فنڈ کی کامیابی کا سہرا زیادہ تر اس کے ہردلعزیز سکرٹری مسٹر وی-رامچندرن بی-اے-بی-ٹی اور مولوی نواب الدین صاحب شریک معتمد کے سر ہے—

اس موقع پر ہم اورنگ آباد کے ہردلعزیز اول تعلقدار مولوی محمد رضا صاحب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس مد میں دس روپیہ ماہانہ سے امداد فرماتے ہیں—

ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا کہ اس فنڈ کی حیثیت (سرمایہ اور امداد کے لحاظ سے) سال گزشتہ کیا تھی' اس فنڈ کے سرمایہ سے ایک مکتبہ بھی قایم ہے' جو نادار طلبا کو مفت کتابیں دیتا ہے—



پور فنڈ

چتّھا بابتہ سنہ ۳۳ ف

(از یکم فروردی سنہ ۳۳ لغایت ۳۰ آبان سنہ ۳۳)

آمد

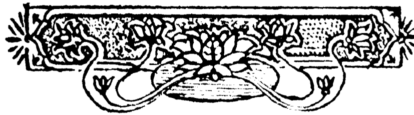
مدات	روپیہ	آنہ	پائی
امداد از عالی جناب محمد رضا صاحب اول تعلقدار اورنگ آباد۔	۸۰	۰	
امداد از پرنسپل صاحب و استاد و طلبا کالج —	۳۰۴	۹	۶
از فروخت روشنائی و فیس امتحان ـ	۹۵	۳	۱۰
کل میزان	۴۷۹	۱۳	۴
خرچ	۴۷۸	۱۱	۴
نقد بدست	۱	۲	۰

خرچ

مدات	روپیہ	آنہ	پائی
وظائف و خریدی کتب —	۴۰۲	۹	۰
ربر مہر —	۴	۲	۰
کاغذ —	۰	۱۳	۰
خریدی کاغذ برائے امتحانات —	۷۱	۳	۴
میزان	۴۷۸	۱۱	۴

یکم آذر سنہ ۳۴ف تک مکتبہ کی مد سے ۲۹۹ روپیہ ۵ آنہ ۶ پائی کا منافع ہوا جس میں سے ۱۵۰ روپیہ سرمایۂ محفوظ میں داخل کردیا گیا اور ۱۴۹ روپیہ ۵ آنہ ۶ پائی پورفنڈ میں منتقل کردیا گیا۔مکتبہ میں آٹھہ سو روپیہ قیمت کی کتب موجود ھیں۔سال گزشتہ کل طبقۂ کالج و وسطانیہ میں ۱۸۷ طلبا کو کتابیں تقسیم کی گئیں جن کی مجموعی تعداد ۴۸۶ تھی —

مذکورۂ بالا مختصر کیفیت سے واضح ہوگا کہ ھمارے مدرسہ کے اساتذہ و طلبا " اپنی مدد آپ کرو " کے زریں اصول پر کس حد تک کاربند ھیں —



نتائج امتحانات خوشی کی بات ھے کہ امسال ھمارے ھاں کے نتائج ھر اعتبار سے بہت اچھے رھے خصوصاً ھای سکول لیونگ سرٹفکیٹ و ایف اے کے نتائج مہالک محروسہ سرکار عالی میں بہترین ھیں اور ھمارے ایف-اے کے دو طلبا کلکرنی صاحب و احمد حسین صاحب قادری کو علی الترتیب مضامین سنکرت و دنیات جامعہ میں اول رھنے کے صلے میں ۲۰ ماھانہ کا وظیفہ ملا ھے افسوس ھے کہ ھم بخوف طوالت کامیاب امیداروں کی مفصل فہرست شایع نہیں کر سکتے اور صرف ذیل کے اعداد پر اکتفا کی جاتی ھے-ھم ان سب طلبا کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ھیں-ھماری دعا ھے کہ یہ حضرات کامیابی کے فوری جوش سے متاثر ھو کر تعلیم کے اعلیٰ ترین مقاصد کو نظر انداز نہ کریں-بلکہ اسی طرح صدق خلوص اور احترام کے ساتھہ طلب علم میں لگے رھیں-بقول ٹے نی سن:

Let knowledge grw from more to more,
But mere of Reverence in us dwell;
That mind and soul according well,
May make one music—as before.

امتحان	تعداد لڑکا	تعداد کامیاب شدگان				کیفیت
		اول	دوم	سوم	جملہ	
ایف-اے	١٦	٠	٦	٦	١٢	ایک اور طالب علم گروپ میں کامیاب ہوا ہے
H.S.L.C.	٢٨	١	٩	١٦	٢٦	درجہ اول میں کامیاب طالب علم سہیت راے مہا لک محروسہ میں دوم ہیں
میٹرک	٢٣	١	٥	٦	١٢	درجہ اول میں کامیاب علی بن غالب مہالک محروسہ میں چہارم ہیں- ٨ اور طلبا گروپ میں کامیاب ہیں—
مڈل	١١٠	١	٩	٧٣	٨٣	
ایلمنڑی ڈرانگ	١٧	٠	٠	٠	١٤	
انٹرمڈیت ڈرانگ	١٢	٠	٠	٠	٧	

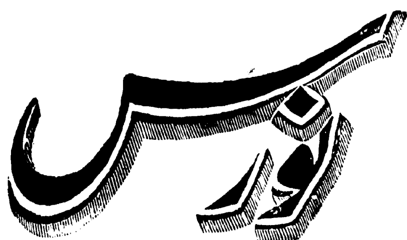
افسوس ہے کہ ہمارے یہاں میٹرک کے چار طلبا امتحان سے تین روز قبل کمی حاضری کے مغالطے کی وجہ سے خانگی کر دئے گئے یہ چاروں کامیاب ہوے ہیں اور ان میں سے ایک اننت راو صاحب درجہ اول میں پاس ہوے ہیں۔ مذکورہ بالا فہرست میں ان کا شمار نہیں کیا گیا ہے —

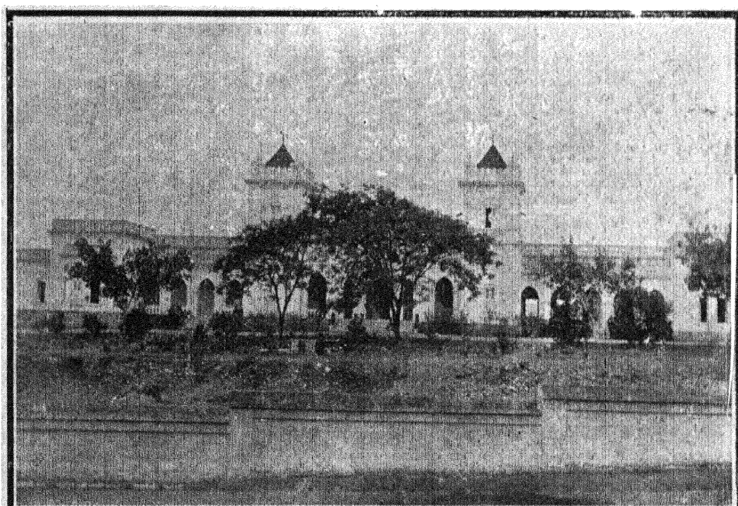


جلد ۱

نومبر سنہ ۱۹۲۵ع

نمبر ۲





اورنگ آباد کالج کا دوماہی رسالہ

انجمن اردو کے مطبع میں چھپا

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

نورس کا پہلا نمبر ناظرین کے ہاتھوں میں پہونچ چکا ھے' خوشی کی بات ھے کہ ادبی دنیا نے اس نومولود کو قدر کی نگاھوں سے دیکھا اور ھماری عزت افزائی کی' ھم ان سب قدردانوں کا شکریہ ادا کرتے ھیں جنھوں نے تبصروں اور خطوں کے ذریعہ اظہار خیال فرمایا اور بعض مفید مشورے بھی دئے - جیسا کہ ھم پہلے نمبر میں عرض کر چکے ھیں' نورس کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں' نہ تو وہ "مجلہ علمیہ و ادبیہ" ھے اور نہ "علمی' ادبی' تاریخی' تجارتی رسالہ" ھمیں امید ھے کہ دعووں کی یہ کمی ھی اس کی درازی عمر کی کفالت کرے گی اور ھمارا یہ چھوٹا سا سفینہ بحر ادب کے مد و جزر کو اچھی طرح برداشت کر لے گا -

بگزار کہ ایں نسخہ معجزی ماند

نورس کے اجراء کو ابھی تین ھی مہینے ھوے ھیں لیکن اس تھوڑی ھی سی مدت میں ھمارے کلیہ کے نونہالوں میں جو روح پیدا ھو گئی ھے وہ یقیناً اُمید افزا ھے' مضمون نویسی اور ترجمے کا شوق پیدا ھو چلا ھے' اگر

پہلے ہمارے طلبا اخبارں اور رسالوں کو سرسری طور پر پڑھتے تھے، تو اب ایک خاص مقصد کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، مشورے لیتے ہیں، کتب اسناد دیکھتے ہیں، نظمیں لکھ لکھ کے لاتے ہیں، موقع نہ ملنے سے جو صلاحیتیں دب گئی تھیں وہ اب سطح پر آ رہی ہیں اور اُبھر نے کی کوشش کرتی ہیں، اگر یہ حالت مستقلاً پیدا ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارا یہ "ذو رس" سپھل ہوا۔ کسی کلیہ کے رسالہ کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ مختلف اور متفرق معلومات کی ایک کھتونی ہو، اس کا بڑا لوازمہ تحریکی قوت ہے، ذوق جستجو کو اشتعال دینا جودت طبع کو اُکسانا بھی اس کا 'مہا کاج' ہے، اس کی کامیابی کی جانچ اسی کسوٹی پر ہوتی ہے —

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے کلیہ نے اپنی زندگی کے پہلے دو سال بخیر و خوبی اور بہت کامیابی کے ساتھ ختم کرائے ہیں، خواہ نتائج امتحانات ہوں یا معلمین اور متعلمین کے تعلقات اور داخلی انتظامی امور غرض کہ ہر حیثیت سے ہمارا ماضی نہ صرف حوصلہ افزا ہے بلکہ ایک زیادہ شاندار مستقبل کا پیش خیمہ بھی ہے، اس سال ہم نے دیوالی کی تعطیلات میں یوم کلیہ منایا، یہ چیز اورنگ آباد کے لئے بالکل نئی تھی، اس جشن کا نظام العمل ہر اعتبار سے اچھا تھا، مقامی عہدہ دار اور معززین کے علاوہ دوسرے اضلاع اور خود دارالسلطنت سے بھی اکثر حضرات اس موقع پر

تشریف لاے تھے، اس کی تفصیل ناظرین کو اخبار کلیہ کے ذیل میں ملے گی، ہماری دعا ہے کہ ہم اسی طرح ہر سال جشن کلیہ منایا کریں، ہم سب کو اپنے کالج کے ساتھہ سچی محبت اور اس کے کارناموں پر جائز فخر ہو اور اس کی روایات جن کی بنا آج کل ڈالی جا رہی ہے آنے والی نسلوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیں—

اینک اینک سال نو شد، آفریں بر سال نو

قوموں کی ساخت، ان کے مزاج کی تخمیر، اور ان کے باہمی تعلقات پر جو اثر اختلاف زبان کا ہوتا ہے اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں، قومیت کی تعریف میں جہاں اور بہت سے اجزا داخل ہیں وہیں مشترکہ بھاشا بھی اس کا ایک لازمی جز ہے، یورپ ایک صدی سے اس کوشش میں ہے کہ مختلف اقوام کے درمیان رابطہ زبان پیدا کرے، چنانچہ اسپرانٹو (Esperanto) ولاپک (Volapuck) ایڈیم نیوٹرل (Idiom Neutral) وغیرہ کئی عارضی زبانیں بنائی گئیں- ان میں سے کچھہ تو مٹ گئیں اور کچھہ باقی ہیں اور ان کے بولنے والے بڑی تعداد میں موجود ہیں، ابھی حال میں کلکتہ کی ایک انگریزی خاتون نے بھی اوم "Om" نام کی ایک اور جگت بھاشا تجویز کی ہے—

اسی سلسلہ میں ناظرین کے لئے یہ معلوم کرنا سبق آموز ہوگا کہ حال ہی میں بالشویک روس میں جو زبردست اجتماع جرمن اور سویڈی مزدوروں کا ہوا اس میں ایک

کثیر تعداد اسپرانتو بولتی تھی - جلسوں اور کارخانوں میں بھی زبان استعمال کی گئی - سوویٹ (Soviet) ڈاک خانہ کے اعلیٰ حکام نے بین الاقوامی مراسلت کے لئے پوسٹ کارڈ بھی اسی زبان میں چھپوائے ہیں، غرض کہ ہر طرح سے اس کی کوشش کی جا رہی ہے کہ یورپ کی اقوام میں ایک متحدہ رابطہ خیالات قائم کیا جائے، کیا ہمارا ہندوستان بھی اس قسم کی کوشش کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟ کیا یہاں بھی کسی نے کوئی "بھارت بھاشا" تجویز کی؟ کتنی قابل افسوس بات ہے کہ دوسرے بر اعظم تو اپنے مختلف النسل سپوتوں کو ملا رہے ہیں، وحدت زبان کی قربان گاہ پر ذاتی خصائص اور امتیازات کو بے دریغ قربان کر رہے ہیں اور ہمارے یہاں کے اہل قلم اختلاف عقاید اور ذات پات کے جھگڑوں ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان سے متاثر ہو کر مختلف زبانوں کا اکھاڑا تیار کرتے ہیں - یاد رکھئے کہ مختلف زبانوں کے سنگم ہی میں ہمارے ملک کی نجات ہے، ہمارے یہاں کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ "بھارت بھاشا" ہے، ابھی کچھ دنوں اور غفلت رہے گی، ذاتی اغراض عام ملکی مفاد پر ابھی کچھ دنوں غالب رہیں گے لیکن بالآخر لوگ اس کی ضرورت کو محسوس کریں گے، اور جب وہ دن آئے گا تو ہمارے جامعہ عثمانیہ ہی کی طرف سب کی نظریں اُٹھیں گی - بھارت بھاشا اسی مادر علمی کے آغوش میں پل رہی ہے اور یہیں پروان چڑھے گی،

جو اس ارتقاء کی رفتار کو روکے گا ھندی قومیت کے حق میں بس بوے گا —

نہ سمجھو گے تو مٹ جاوگے اے ھندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ھوگی داستانوں میں

گزشتہ چھہ ماہ میں افق ھند کے تین درخشاں ستارے ڈوبے ۔ ابھی ملک چترنجن داس جیسے دلسوز مدبر اور سچے شاعر کی مراسم تعزیت بھی ادا نہ کرنے پایا تھا کہ سریندرناتھہ بنرجی جیسے خطیب اور قانون داں کی موت پر نوحہ خوانی کرنی پڑی ' اور اس سے پوری طرح فراغت نہ ھوئی تھی کہ مہارشی رام کرشن گوپال بھنڈارکر کی وفات نے ایک مرتبہ پھر صف ماتم بچھادی - بھنڈارکر صاحب ایک مشہور مستشرق تھے ' اور اگلے وقتوں کے ان عالموں کی یادگار تھے جو نام و نمود ' شہرت اور عزت سے بے نیاز ھوکر دلی لگن اور خلوص کے ساتھہ علم کی خدمت کرتے تھے ' وہ پرانے زمانے کے رشیوں کی نشانی تھے ۔ انھی کی سی سادہ اور بلند زندگی ' اور انھی کی طرح روحانی رفعت رکھتے تھے - مختلف سماجی مسایل ، مثلاً عقد بیوگان ' تعلیم نسواں ' اچھوت ذاتوں سے پرھیز وغیرہ کے متعلق ان کی کوششیں مجتہدانہ تھیں - علمی حیثیت سے ان کی زبردست ترین یادگار پونہ کا بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ ھے جو انھوں نے قدیم سنسکرت علوم کے احیاء کے لئے قائم کیا تھا ' سنسکرت ادب اور ھندی تاریخ کے متعلق یہ ادارہ کئی قابل قدر

تصنیفات شایع کرچکا ہے اور آج کل مستند نسخوں سے مہا بھارت کا ایک مکمل اڈیشن تیار کر رہا ہے، اس نمبر میں ناظرین سی-ر-داس آنجہانی کی ادبی زندگی کے متعلق ایک مضمون ملاحظہ فرمائیں گے-آئندہ انشااللہ مہارشی بھنڈارکر کی سوانح حیات پر روشنی ڈالی جائے گی-یہ لوگ علم کے سچے خادم تھے، اگر ان کی زندگیوں پر غور کی نظر ڈالو تو ان میں ایسی ایسی باتیں نظر آئیں جو ہمارے لئے درس عمل کا کام دیں—

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

یہ تو قصص رفتگان تھے، لیکن دنیا ابھی ایسے لوگوں کے پاک وجود سے بالکل خالی نہیں ہوئی ہے-انہی جانے والوں کی طرح طلب علم پر جان دینے والے، دھن کے پکے سرسوتی کے سچے پجاری خود ہمارے ملک میں اور دوسری جگہہ موجود ہیں-چنانچہ اطلاع ملی ہے کہ مشہور امریکی ماہر موسیقی جارج اینتھل (George Antheil) جو چند عربی راگنیوں کی تحقیق کے لئے اوائل اگست میں پیرس سے افریقہ گئے تھے کہیں صحرائے آعظم میں کھو گئے ہیں-یہ ابتداً تونس (Tunis) گئے لیکن جب وہاں بھی تشفی نہ ہوسکی تو جنوب کی طرف چل کھڑے ہوے-اس وقت سے اب تک ان کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی کہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ کانگو (Kongo) کی طرف گئے ہیں-امریکی حکام متعینہ پیرس نے

ان کے تلاش کرنے کے لئے جو کاروان بھیجے تھے وہ اس عظیم الشان صحرا کو عبور نہ کرسکے اور واپس آگئے، ان کی سلامتی کے متعلق لوگوں میں بہت کچھ ہراس پیدا ہو گیا ہے —

ذوق جستجو اور ایثار کی یہ کیسی روشن مثال ہے!

جن لوگوں نے امریکی تہذیب کا مطالعہ گہری نظر سے کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہاں کی تہذیب قائم ہوتے ہی اتنے مختلف اسباب سے متاثر ہوی کہ اپنا توازن قائم نہ رکھہ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملک ہمیں ہر حیثیت سے مجموعۂ عجائبات نظر آتا ہے، اگر ایک طرف خیراتی کاموں کی کثرت ہے، تو دوسری طرف جرائم کی تعداد میں اضافہ ہے۔ اگر ایک طرف ایک حلقہ ایسا ہے جو ہمہ تن تحقیق اور علمی تجسس میں محو ہے تو دوسری جانب ایسی ہستیاں بھی کچھہ کم نہیں جو اپنا ایک نیا مذہب بناکر تحقیق علمی کے پیچھے پڑ گئی ہیں، اور دنیا سے اس بات کی توقع رکھتی ہیں کہ وہ علم اور تجربہ سب کچھہ بالاے طاق رکھہ دے!

عقیدے اور مذہب کی یہ جنگ آج کل امریکہ میں بہت زور شور کے ساتھہ ہورہی ہے اسے علمی ترقی اور سائنس کی تحقیقات کا رد عمل کہا جا سکتا ہے۔ آج کل وہاں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے، یہ لوگ اپنے آپ کو اساسی (Fundamentalist)

کہتے ھیں ان کا خاص مسلک یہ ھے کہ انجیل مقدس کے جو عقاید دلوں سے محو ھوتے جا رھے ھیں از سر نو راسخ کئے جائیں۔ یہ مقصد اپنی جگہہ پر کیسا ھی اچھا کیوں نہ ھو لیکن جو طریقے اختیار کئے جارھے ھیں وہ ایسے عجیب و غریب ھیں کہ دنیا انگشت بدندان ھے کہ بیسویں صدی میں بھی ایسے خیالات پاے جاتے ھیں!

اخباری دنیا تے نی سی (Tennessee) کے مقدمے کا حال سن چکی ھے۔ یہ امریکہ کی ایک ریاست ھے اور یہاں اس نئے مسلک کے حامی کثیر تعداد میں موجود ھیں۔ اس ریاست نے ایک قانون بنایا کہ جو شخص مدارس میں ڈارون (Darwin) کے مسئلہ ارتقاء کے موافق اظہار خیال کرے گا وہ بحکم مجلس گرفتار کر لیا جاے گا، چنانچہ وھاں کے کالج کے ایک نوجوان پروفیسر جے۔ تی۔ اسکوپس (G-T. Scopes) اس الزام میں ماخوذ ھوچکے ھیں، اس عجیب و غریب مقدمے نے تمام دنیا میں ھلچل ڈالدی ھے۔ قانونی دفعات یہ ھیں:—

(۱) ریاست تے۔نے۔سی کی مجلس عام یہ قانون نافذ کرتي ھے کہ ریاست مذکور کی یونیورسٹیوں، نارمل اسکولوں اور تمام سرکاری اور امدادی درسگاھوں میں کسی مدرس یا پروفیسر کا کسی ایسے نظرئے کی تعلیم دینا جو انجیل کے قصہ تخلیق آدم کو غلط قرار دیتا ھو، یا یہ دعوے کرتا ھو کہ انسان ادنیٰ حیوانات سے بذریعہ ارتقاء وجود میں آیا ھے، خلاف قانون ریاست ھذا متصور ھوگا—

(۲) نیز واضح رهے که جو مدرس یا پروفیسر اس دفعه کی خلاف ورزی کرے گا وه خلاف ورزی قانون کا مرتکب گردانا جاے گا اور ماخوذ هونے کے بعد اس پر کم از کم ۱۰۰ ڈالر (۳۵۰ روپیه) اور زیاده سے زیاده ۵۰۰ ڈالر (۱۷۵۰ روپیه) جرمانه هر غلطی کی پاداش میں کیا جاے گا۔

(۳) یه مسوده بعد منظوری فوراً قانون کا حکم رکھے گا کیوں که مفاد عامه اسی کا متقاضی هے —

غریب ایشیا اپنی ضعیف الاعتقادی کے لئے بد نام هے' مغربی سائنس داں اور محققین اس پر سدا سے قدامت پسندی کا الزام لگاتے رهے هیں' مشرقی درباروں کے متعلق اُن کی سرکار سے یه فتویٰ ناطق هو چکا هے که یه آزادی راے کو سلب کرتے هیں' امریکه ایک روشن خیال ملک سمجھا جاتا هے' تهذیب حاضر کی علمبرداری کا سهره اسی کے سر هے' پھر یه کیا بوالعجبی هے که آج وهیں کی ایک ریاست علمی اکتشافات اور مباحثوں کی زبان بند کرتی هے اور ریاست هاے متحده کی ۴۸ ریاستوں میں سے ۱۵ کی مهریں تحقیق و تجربه کے اس قتل نامه پر ثبت هوتی هیں —

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا' کهتے هیں
یه اگر سچ هے تو ظالم اسے کیا کهتے هیں ؟

هماری جامعه کے قیام کو آٹھ سال هو چکے هیں' شهریار دکن خلدالله ملکه کے علم پرور هاتھوں نے جو بیج بویا تها

وہ اب خدا کے فضل سے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ھے اور پھل پھول رہا ھے، جامعہ عثمانیہ کا قیام ہندوستان میں ایک تجربے کا آغاز تھا، اُردو خواہ حضرات اپنی زبان کی بے مایگی سے متردد تھے، ان کے دلوں میں شبہات تھے کہ ہندوستان کی ھوا اس نئے پودے کے حق میں راس بھی آتی ھے یا نہیں، آج اُن کے شبہات رفع ھو گئے ھیں، جہاں تردد تھا، وھاں اب یقین ھے، جو اُردو جامعہ کے نام پر ھنستے تھے اب وہ متعجب ھیں، یہ لوگ اتنا نہ سمجھتے تھے کہ شاھوں کی سرپرستی اور خادمان علم کا ایثار نا ممکن کو ممکن بنا دیتا ھے!!

اس سال پہلی مرتبہ ھماری جامعہ نے تقسیم اسناد فضیلت (Convocation) کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا- عالی جناب نواب ولی الدولہ بہادر امیر جامعہ (Chancellor) نے اپنا فاضلانہ خطبۂ صدارت پڑھا، ھم اس خطبہ کو بجنسہ نقل کر رھے ھیں، جو ناواقف ھیں اُن کو اس خطبہ سے جامعہ عثمانیہ کی اصلی اھمیت کا اندازہ ھوگا، جو اس مادر علمی (Alma mater) کی خدمت کر رھے ھیں یا اُس کی آغوش میں پل رھے ھیں، اُن کے دل میں اِس خطبہ کو پڑھ کر فرحت و انبساط کی لہریں دوڑیں گی، ھمیں امید ھے کہ ھماری جامعہ کے طلبا جناب نواب امیر جامعہ کی قیمتی نصیحتوں کو گوش ھوش سے سنیں گے، جو اِن انمول موتیوں کو اپنے ذھن کے خزانہ میں محفوظ رکھے گا، علم کی دولت سے مالا مال ھوگا—

نواب عماد الملک بہادر کے نام سے کون واقف نہیں ہے، آپ کی علم پروری اور خدمت عام، آپ کی اعلیٰ سیرت، پورے ہندوستان میں آفتاب کی طرح روشن ہے، جامعۂ عثمانیہ خصوصیت کے ساتھ آپ کی مساعی جمیلہ کی ممنون منت ہے، اس سال آپ نے اپنی عمر کا ۸۳ واں سال ختم کیا ہے، اس سے زیادہ کسی ملک کی اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے کہ اُس کے سچے فرزند درازی عمر کی نعمت سے بھی مالا مال ہوں۔ جامعۂ عثمانیہ نے آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ایل۔ ایل۔ ڈی کی سند آپ کی خدمت میں پیش کی ہے، ہم اس دھری مسرت کے موقع پر اپنے کلیہ کی طرف سے نواب صاحب موصوف کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ہمارے کالج پر آپ کے احسانات بہت زیادہ ہیں، وہ ہمیشہ آپ کی سرپرستی پر فخر کرے گا، ہماری آنے والی نسلیں استحسان اور ممنونیت کے ان جذبات کو لیں گی اور دوسرے آنے والوں تک پہنچائیں گی، رسالہ اُردو نے آپ کی تفصیلی سوانح حیات شایع کی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ابھی آپ برسوں تک اسی طرح صحیح و سلامت رہیں اور اپنے لگائے ہوئے نونہالوں کو پروان چڑھتا دیکھیں —



تاریخ کی تعلیم کا مدعا کیا ھے؟

(مولوی سید هاشمی صاحب رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی جشن ''یوم کلیہ'' اورنگ آباد میں شریک ھونے کے لئے حیدرآباد سے تشریف لائے تھے - مگر خالی ھاتھہ نہیں آئے تھے' ھمارے لئے اپنے ساتھہ ایک تحفہ بھی لائے تھے - یہ مضمون جو انہوں نے جلسہ میں پڑھا' مدتوں کے غور اور فکر کا نتیجہ ھے اور طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے نہایت مفید ھے - اُمید ھے کہ ھمارے طالب علم اور پروفیسر اسے غور سے مطالعہ کریں گے - اڈیٹر)

ایسی تاریخ کا جو ھماری حالت حاضرہ پر کوئی اثر نہیں رکھتی' مطالعہ کرنا بیکار ھے - گزرے ھوے واقعات کا ایسا بیان جس کا ھمارے حال و مستقبل سے کوئی صریحی تعلق نہیں' اُس کی مدرسوں میں تعلیم دینی' بچوں کا وقت ضایع کرنا ھے - عقل مند ماں بچے کو بزرگوں کے ایسے قصے سناتی ھے جن میں فیاضی اور بہادری' نیکی اور شرافت کے کارنامے مذکور ھوں اور انہیں سن کر از خود بچے کے دل میں اچھے کام کرنے کا شوق اور اچھی خصلتوں کی قدر پیدا ھو جائے - مگر نا سمجھہ عورتیں بچوں کو دیو

پری کے لایعنی افسانے سناتی ہیں۔ یہ کہانیاں بھی اگر دلچسپ اور تعجب انگیز ہوں تو فائدے سے خالی نہیں، لیکن اُن سے صرف تخیل تیز ہوتا ہے، تعقل کی تربیت نہیں ہوتی اور وہ عملی زندگی میں کچھ کام نہیں آتیں۔ گذشتہ زمانہ کی تاریخ، موجودہ حال سے بے تعلق ہو کے لکھی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کہانیوں کے برابر دلچسپ بھی نہ ہوگی اور اُس کے پڑھنے سے عملی زندگی میں بھی کوئی فایدہ حاصل نہ ہوگا —

یہ نسل جو اس وقت ملک میں آباد ہے، اس کے تمدن، عادات و رسوم، اخلاق و آرا، اس کی جسمانی صحت اور دماغی حالت، اس کی آرزوئیں اور اس کے مقاصد —— ان میں سے بہت سی چیزوں کی ابتدا آج سے سالہا سال بلکہ صدیوں پہلے ہوئی تھی۔ اگر تاریخ لکھنے یا پڑھانے والا اس کُھلی ہوئی حقیقت کو پیش نظر نہیں رکھتا تو کہنا چاہئے کہ وہ انسانوں اور پتھروں میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ قوم کی بجائے کسی بے جان پہاڑی کی سرگزشت سنا رہا ہے —

اگر عربی تاریخوں سے قطع نظر کیجے تو ہمارے مشرقی ملکوں کی جو تاریخیں گزشتہ چھہ سات سو برس میں لکھی گئی ہیں وہ اہل قلم نے زیادہ تر سلاطین و اُمرا کو خوش کرنے کے واسطے لکھی تھیں۔ ان کے واقعات اکثر صحیح اور بعض اجزا بہت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ بایں ہمہ یہ تاریخیں انہی بادشاہوں کی رزم بزم کے

افسانے سناتی ھیں - عام لوگوں سے یا لوگوں کے عام حالات سے اُن میں بہت کم بحث کی جاتی ھے اور ضمناً کی بھی جاتی ھے تو وہ تشنہ اور بعض اوقات غلط فہمی پیدا کرنے والی ھوتی ھے - یہی حال مدتوں ممالک یورپ کی تاریخ کا رھا - بلکہ دور جدید یعنی اٹھارویں اور اُنیسویں صدی میں بھی وھاں جو تاریخیں تالیف ھوئیں ان میں بادشاھوں کے نہیں تو صرف حکومتوں کے وقائع اور سیاسی حالات تحریر ھیں اور یہ بات اب تک ضرب المثل کے طور پر کہی جاتی ھے کہ گزشتہ عہد کے سیاسی واقعات ھمارے زمانہ کی تاریخ ھیں —

تاریخ کے اس طرح خالص سیاسی مضمون بن جانے کا بڑا سبب یہ ھے کہ پچھلی تین صدی کے اندر یورپ میں عظیم‌الشان سیاسی انقلابات برپا ھوے ھیں - یہی زمانہ ھے جس میں وھاں حسب نسب کے بے جا حقوق و امتیازات مٹائے گئے - استبدادی اور شخصی حکومت کا زور ٹوٹا اور طویل کشاکش اور سخت کشت و خون کے بعد عام لوگوں کو ملکی معاملات میں حصہ لینے کا حق ملا اور نیابتی یا دستوری حکومت قائم ھوئی - اھل یورپ کو بجا طور پر اپنے اسلاف کی اس کامیابی کا فخر ھے اور ان کا ھر مصنف اس سیاسی انقلاب کی جزئیات تک کو بڑے ذوق شوق کے ساتھ بیان کرنا چاھتا ھے - یہی وجہ ھے کہ ممالک یورپ میں فن تاریخ کی اکثر مشہور و مقبول تصانیف سیاسی اور آئینی بحثوں سے لبریز نظر آتی ھیں —

لیکن ہم اگر اپنے ملک کی تاریخ میں صرف سیاسی یا حکومتوں کے حالات تحریر کریں گے تو وہ فقط بادشاہوں کی حرص و ہوس، غصب و تغلب اور جنگ و جدال کی ایک بے لطف روے داد بن جاے گی - بے شبہ ہمارے ہاں جب کسی فرماں روا کی ظلم و تعدی حد سے بڑھی تو گویا قدرت کی طرف سے اس کی سرکوبی کے سامان پیدا ہو گئے اور کسی باغی امیر یا سلطنت کے مدعی نے اسے نکال باہر کیا - لیکن حقوق عوام اور ان کی جد و جہد کا ہماری تاریخ میں کوئی عنوان نہیں ہے - پس ہم تاریخ کو صرف سیاسی واقعات تک محدود رکھیں گے تو اس کی تعلیم بالکل غیر دلچسپ اور غیر مفید ہو کر رہ جاے گی - اگر ہمیں اپنے طلبہ کو فقط یہ سبق دینا منظور ہے کہ تغلق و اکبر نے کون کون سے ملک چھینے، شاہجہاں نے کن حریفوں کو زیر کیا، اور مرہٹوں نے کہاں کہاں غارت گری کی اور حیدر علی نے کس طرح سلطنت پر غاصبانہ قبضہ جمایا، تو کچھ ہرج نہیں ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کو مدرسوں کے نصاب سے خارج کر دیا جاے اور اس کی بجاے ہمارے طالب علم لوگوں کے سیاسی حقوق اور آئینی حکومت حاصل کرنے کی داستان یورپ کی تاریخوں میں مطالعہ کریں —— لیکن گو قوم کی خوش حالی اور نشو و نما اور مادی اور اخلاقی حالت کا بہت کچھ مدار اہل حکومت اور طرز حکمرانی پر ہے، اور اس کے احوال اور رد و بدل کا تذکرہ نا گزیر ہے، تاہم تاریخ کو سیاسیات و ملوکیات میں مقید کر دینا

کوئی لازمی بات اور فرض نہیں ھے - بلکہ سچ یہ ھے کہ اس کی تدوین اور تعلیم میں وسعت نظر سے کام لیا جاے تو تاریخ ترقی تمدن کی رھنما اور اخلاق کی بڑی مصلح بن سکتی ھے اور قوموں کو آسودگی اور خوش دلی سے زندگی بسر کرنے کا ایسا دل نشین سبق سکھا سکتی ھے جو اور کسی علم یا فن کی تعلیم سے ممکن نہیں —

یہ بات اب تاریخ کا ھر استاد جانتا ھے کہ قوموں کی زندگی پر بڑا اثر قدرتی کا اسباب ھوتا ھے - کسی ملک کے تمدن و معاشرت اور خود طرز حکومت اور اساسی حالات، وھاں کے جغرافئے سے وابستہ ھیں - یعنی ملک کی آب و ھوا، دریا پہاڑوں اور میدانوں کی نوعیت، اس کا ساحلی یا بری ھونا وغیرہ وغیرہ قدرتی اسباب وھاں کے باشندوں کو تمدن کے خاص خاص راستوں پر لے چلتے ھیں - مگر جس نکتے پر اھل تاریخ نے ابھی تک ظاھرا کافی توجہ نہیں فرمائی رہ یہ ھے کہ جس طرح قوموں پر فطرت کے خارجی قوانین کا اثر ھے اسی طرح انسانی تمدن اور قومی ثروت و آسودگی کے بھی قدرتی قوانین ھیں اور ان کا عمل بھی ایسا ھی یقینی اور ناگزیر ھوتا ھے جیسا کہ گرمی سردی یا باد و باراں کے طبیعی عوامل کا - قومی دولت کی کمی بیشی کے متعلق اس زمانے میں علم کی ایک مستقل شاخ اقتصادیات یا معاشیات کے نام سے مدون ھوگئی ھے لیکن ابھی تک تاریخوں میں اقتصادی مسائل پر کافی زور نہیں دیا جاتا - حالانکہ کسی قوم کا موجودہ افلاس، صریحاً

اس کی گزشتہ اقتصادی حالت کا نتیجہ ہے۔رہے تمدنی قوانین، تو بے شبہ یہ قوانین، اقتصادی اور طبیعی قوانین کی نسبت کہیں زیادہ پیچیدہ اور دیر اثر ہوتے ہیں اور عقل انسانی ان کا صحیح تعین کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔باین ہمہ ان کے وجود اور عمل سے کسی صاحب خرد کو انکار نہیں ہوسکتا۔مثال کے طور پر جس قوم میں راست بازی اور معاملے کی سچائی نہیں ہے اس کی تجارت اور آسودہ حالی میں زوال آنا یقینی ہے۔یا جس قوم کے اسلاف نے عیش و تن آسانی میں زندگی گزاری ہے، پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ اس کی اولاد و اخلاف سے رفتہ رفتہ محنت و جفا کشی کی صلاحیت مفقود ہوجائے گی۔میں نے یہاں تفصیل میں پڑنے سے عمداً پہلوتہی کی ہے ورنہ تمدن کے ان قوانین کے اندر معاشرت اور باھمی معاملت یعنی وراثت، ازدواج، لین دین، غرض اجتماعی زندگی کی جملہ ضروریات داخل ہیں۔تمدن کے ان قدرتی اور اخلاقی قوانیں کی صحیح حدود بتانا تاریخ کا کام نہیں ہے مگر تحقیق و احتیاط کے ساتھہ قوموں کی سرگزشت میں ان قوانین کے عمل اور اثر کا سراغ لگانا، ابناے وطن کی سب سے بڑی خدمت ہے جو تاریخ کے معلم کو انجام دینی چاھئے —

ظاھر ہے کہ اس قسم کی تاریخ محض ہماری نام نہاد تاریخی ماخذوں سے مرتب نہیں ھوسکتی۔ایسی تاریخ کے لئے استاد یا مورخ کو خواہ مخواہ متعلقہ عہد کی ہر قسم

کی تصنیفات اور آثار اور چھوٹی بڑی ہر طرح کی یادگاروں سے جس قدر ممکن ہو وسیع واقفیت بہم پہنچانی پڑے گی تاکہ وہ پہلے اپنے ذہن میں اور پھر طلبا کے تصور میں اس زمانے کے لوگوں کی، ان کی معاشرت اُن کے خیالات اُن کے اخلاق کی اور اُن کی غلط روی اور نقصانات کی واضح تصویر کھینچ دے۔ اور اُس تمام کوشش کی کامیابی جیسا کہ میں نے مضمون کے آغاز میں اشارہ کیا اس بات پر منحصر ہوگی کہ طالب علم جس عہد کی تاریخ پڑھ رہا ہے اس عہد کو خود اپنی زندگی کا ایک گزرا ہوا زمانہ سمجھنے لگے۔ پھر، جس طرح جوانی کے تجربے یا ناتجربہ کاری اور نادانی سن کہولت میں غلطیوں کے نقصان اور صدمے یاد دلا کر ہمیں دانائی سکھاتی ہے اسی طرح موجودہ نسل اپنے اسلاف کی لغزشوں اور کوتاہیوں کے اثرات کا خود اپنے احوال میں معاینہ کرے گی اور اس کی تلافی پر آمادہ ہوگی اور کوشش کرے گی کہ قوم کی آیندہ زندگی کے لئے ایک بہتر و خوبتر تمدن کا راستہ تیار کر جائے —

مختصر طور پر، خاکسار کے نزدیک تاریخ کے پڑھنے کی غرض یہ ہے اور اسی مدعا کو پیش نظر رکھ کر تاریخ کی تعلیم ہونی چاہئے —



خطبہ

عالیجناب نواب والی الدولہ بہادر امیر جامعہ
بتقریب جلسہ تقسیم اسناد فضیلت
سنہ ۱۳۴۴ ھجری - سنہ ۱۳۳۴ ف - سنہ ۱۹۲۵ ع

رفقاے جامعہ و معززین

آج کی تقریب مسرت میں بحیثیت امیر جامعہ آپ صاحبان کا خیر مقدم میرے لئے موجب نازش و انبساط ھے - اس میں کچھہ کلام نہیں کہ آج کا دن تاریخی اور یادگار دن ھے - یہ محض تقسیم اسناد ھی کی تقریب نہیں ھے بلکہ یہ اُس مبارک سعی کی بارآوری کا یوم سعید ھے' جس کی طرف ھم سب کی آنکھیں لگی ھوئی تھیں اور جس کی بنا آٹھہ سال پہلے ھمارے آقاے نامدار اور علم و ھنر کے مربی اعلی حضرت شہریار دکن خلداللہ ملکہ' و سلطنتہ' نے رکھی تھی' اور اپنی فراست و دوراندیشی اور روشن خیالی اور بلند حوصلگی کا ایسا کرشمہ اھل بصیرت کو دکھایا تھا جس کی نظیریں تاریخ کے اوراق میں بہت کم ملتی ھیں—

اس جامعہ کی تاسیس ممالک ھند کی تاریخ تعلیم

میں ایک بالکل جدید اور پر اُمید باب کا اضافہ ہے۔ گزشتہ نصف صدی سے تمام ہندوستان میں ہر قسم کے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کا جو اُصول نافذ اور مسلم ہے اس کے خلاف یک لخت ایک نئے اُصول کا اختیار کرنا، یعنی انگریزی زبان کی بجائے ایک دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا بڑی جرأت و ہمت کا کام تھا۔ اکثر اہل‌الرائے اور ماہران تعلیم اس جدت و اجتہاد پر متردد تھے اور انہیں اس تجربے کی کامیابی کے متعلق بہت کچھ شبہ تھا۔ جن صاحبوں نے اعلیٰ تعلیم اور طریق تعلیم کی داستان پڑھی ہے اُن سے یہ نکتہ مخفی نہ ہوگا کہ دنیا کے ہر ملک میں جہاں تہذیب و تمدن کا قدم آیا وہاں انسانی علم کے خاص معارف و اسرار سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی غیر زبان کا رہین منت ہونا پڑا۔ از منۂ وسطیٰ میں یورپ کی درسی زبان لاطینی تھی اور نہ صرف لاطینی بلکہ "پےڈوا"۔ "بولونا" اور "پیرس" و "رما" کے شہرۂ آفاق علمی جامعات میں خود ہماری مقدس زبان عربی کا تسلط تھا۔ انگلستان میں جب اعلیٰ تعلیم کا دور آیا تو وہاں بھی یہی ہوا اور بڑے بڑے علمی مرکزوں میں لاطینی ایسی ہی لازمی تھی جیسے ہمارے ملک میں اس وقت انگریزی زبان ہے۔ اس لئے کہ لاطینی کی واقفیت کے بغیر علم و فن کے کسی شعبہ میں قدم بڑھانا غیر ممکن تھا——

لیکن حضرات! غیر زبانوں کے ذریعہ سے علم کی تحصیل کیسی ہی مفید اور ناگزیر کیوں نہ مانی جائے، یہ سلسلہ

غیر محدود زمانہ تک قایم نہیں رہ سکتا - اقوام کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ھے جب کہ علم کا شوق اور تشنگی اُن کو بیتاب کر دیتی ھے اور یہ جوش اس قدر عام اور موج زن ھو جاتا ھے کہ نہ اُس سے اغماض ھو سکتا ھے اور نہ غیر زبان کی محدود وساطت اسے سیراب کر سکتی ھے - یہی اسباب تھے کہ یورپ کے ملکوں میں لاطینی کے بجاے ملکی السنہ کو اختیار کرنا ضروری ھوا - گویا وہ دیواریں جنھوں نے حصول تعلیم کے راستے کو تنگ گھاٹی بنا رکھا تھا، توڑ کے فراخ و کشادہ شارع عام تیار کی گئی اور اس کے ساتھہ ھی علوم و فنون کے قصر پر یورش ھوئی اور اس پر اسرار لاطینی حصار کے دروازے کُھل گئے - اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ ملکی زبان میں اعلی تعلیم دینا بجاے خود ملکی فلاح و ترقی کی دلیل اور اھل ملک کی روشن خیالی اور ھمت کا ثبوت ھے - اطالیہ، فرانس، انگلستان سب جگہ یہی عمل ھوا اور باھر کی علمی زبان کی جگہ قوم کی مروجہ زبان ذریعہ تعلیم قرار پائی - قریب زمانہ میں اسی قسم کا انقلاب ملک جاپان میں واقع ھوا - یہ دیکھکر کہ خود ھمارے عزیز وطن میں دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے متعلق جو شبہات اور اندیشے تھے وہ کلیتاً زائل اور نابود ھو گئے، مجھے الفاظ نہیں ملتے کہ اپنے دلی فخر و مسرت کا اظہار کروں —

حضرات! ھمارا تجربہ کامیاب ھوا - ھمارے روشن ضمیر فرمانروا (خلداللہ ملکہ و سلطنتہ) نے انتہائی لطف

و رم اور کمال رعایا پروری سے جس حقیر تخم کی آبیاری فرمائی تھی وہ آج ایک تناور درخت کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔یہی نہیں کہ ہمارے تجربہ کے سرسبز و کامیاب ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، بلکہ میں ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی اسی آواز کی گونج سنتا ہوں جو چند سال پہلے بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں بلند ہوئی اور محض "صدا بصحرا" سمجھی جاتی تھی۔اب وہ رفتہ رفتہ اس اصول کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ آئندہ چند سال میں ہم برطانوی ہند کی اعلی درسگاہوں کو جامعہ عثمانیہ کے نقش قدم پر گام فرسائی کرتا ہوا پائیں —

یہ امر بلا شبہ موجب مسرت ہے کہ جامعہ کی عام تعلیم اور اُس کے مختلف شعبوں کی حالت نہایت قابل اطمینان ہے - لیکن جامعہ عثمانیہ کو حقیقی جامعہ بنانے کے لئے ہمیں ابھی بہت کچھہ کرنا ہے -ہمیں فارغ التحصیل طلبہ کے واسطے بہتر سے بہتر ماہرانہ اور محققانہ تعلیم و رہنمائی کا انتظام اعلی پیمانہ پر کرنا ہوگا اور مجتہدانہ تحقیقات اور اکتشافات کے لئے جدید سے جدید سامان مہیا کرنا ہونگے- اگرچہ ان چیزوں کا کچھہ کچھہ آغاز ہو چکا ہے اور دوسرے علوم کے ساتھہ طب اور انجنیری جیسے فنون کی تعلیم کا بھی انتظام ہو رہا ہے اور ان کی توسیع کی فکر کی جا رہی ہے، تاہم ہماری جامعہ عثمانیہ بالکل

ابتدائی اور گویا طفولیت کی حالت میں ھے - جب تک ھم اعلی تعلیم و تحقیقات کا سر انجام کرنا اپنا مطمح نظر نہ بنائیں گے اس وقت تک عامی دنیا ھماری سعی کی کچھہ بہت قدر و منزلت کرنے پر آمادہ نہ ھو گی - علوم میں بھی جن شعبوں کی محققانہ تعلیم کی طرف توجہ کرنا جامعہ عثمانیہ کا سب سے مقدم فرض ھے، وہ ھمارے قدیم علوم کے ساتھہ ساتھہ جدید علوم طبیعی ھیں، جو ھماری دماغی اصلاح کے ساتھہ ھماری معاشرت کی بھی اصلاح کریں گے، جو ھمارے ملک میں دولت و ثروت کا دریا بہا دیں گے اور ھماری سر زمین کو لہلہاتی کھیتیوں اور ھمارے بازاروں کو حرفت و دستکاری کی صناعیوں سے مالا مال کر دیں گے - ان علوم کے سمجھنے اور سمجھانے سے نہ صرف ھماری قوم بلکہ درحقیقت نوع انسان کا ذھنی اور خارجی ارتقا وابستہ ھے - اس لئے ھم سب کا فرض ھے کہ جامعہ عثمانیہ کی عظمت و شان بڑھانے میں تا مقدور کوشش کریں - اب تک اشاعت علوم کے لئے یہاں جو کچھہ ھوا اور ھو رھا ھے وہ سب اعلی حضرت و اقدس خسرو دکن (خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ) کے دست کرم کا مرھون احسان ھے اور یہی سبب تھا کہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے سب سے پہلا اور سب سے اعلی خطاب فضیلت، اعنی "سلطان العلوم" کمال شکرگزاری اور انتہائی عقیدت و ارادت کے ساتھہ اپنے سرپرست و مربی کے حضور میں پیش کیا گیا—

حضرات! یہ ایک مشہور قول چلا آرہا ہے کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور دونوں کا ملنا محال ہے۔ لیکن اب حالت عالم دگرگوں ہے، واقعات نے ایک دوسرا پلٹا کھایا ہے، نئے انقلاب زندگی کے ہر شعبے میں برپا ہو رہے ہیں اور ہمیں اپنے مسلمات اور اصول میں جدید تبدیلیاں کرنی پڑی ہیں اور اب اس قول کی صحت میں بھی قوی شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اہل مشرق خوب جان گئے ہیں کہ ہمیں کن چیزوں میں اہل مغرب کی احتیاج ہے اور اہل مغرب بھی اب سمجھنے لگے ہیں کہ ہمیں مشرق سے کیا سیکھنا چاہئے۔ آپس کی کمی پورا کرنے کے لئے ان دونوں کا ملنا لازم ہے اور ان دونوں کے اتحاد میں دنیا کا امن اور نجات ہے۔ کیا تعجب ہے کہ مشرق و مغرب کا یہ سنگم موسیٰ ندی کے کنارے اِسی جامعہ عثمانیہ میں ہو جس نے مشرق و مغرب کے علوم و معلومات اور تہذیب و تمدن کو ایک جا جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور جس کی تکمیل میں سب سے زیادہ حصہ یہاں کے فاضل اساتذہ اور ہونہار طلبہ کا ہوگا —

حضرات! میں آپ کا زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ ہمارے جلسہ کا خاص مقصد اسناد فضیلت کی تقسیم ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جو نام میں لیتا ہوں، وہ جامع علوم مشرقی و مغربی نواب عمادالملک بہادر کا اسم گرامی ہے، جنہیں میں قلبی مسرت کے ساتھ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے ”ایل-ایل-ڈی“ کے خطاب کی اعزازی سند

دیتا ہوں۔اس نامور فاضل اور دیرینہ سال ماہر تعلیم سے آپ کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے کہ اس بزرگ کے اوصاف اور کارناموں سے ملک کا ہر باخبر شخص آگاہ ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس ریاست میں تعلیم جدید کی ساخت و پرداخت بہت کچھہ صاحب موصوف ہی کے ہاتھوں ہوئی جو تیس برس تک ناظم تعلیمات سرکار عالی کے فرایض ادا کرتے رہے۔آج جب کہ ہم اپنے ملک میں جدید تعلیم کے فروغ و ارتقا کا مشاہدہ اس جلسہ تقسیم اسناد میں کر رہے ہیں، عین مناسب ہے کہ مذکورۂ بالا ڈگری کے پیرایہ میں ہم نواب عماد الملک کی تراسویں سال گرہ منائیں—

اب اے فارغ التحصیل نوجوان طالب علمو! میں تمہیں علمی سند کے حاصل کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں کہ یہ سند تمہاری طویل محنت اور عرق ریزی اور ذہانت و ہوشمندی کا انعام ہے—

برطانوی عساکر میں زمانہ قدیم سے یہ رسم عزیز جاری ہے کہ اُس فوجی جمعیت کا نشان سب سے کم عمر افسر کے تفویض کیا جاتا ہے جس میں وہ داخل ہوا ہے۔تاکہ وہ اس کی عزت کو نگاہ رکھے اور اپنی شجاعت و مردانگی سے اعلیٰ مدارج پر پہنچے۔تم بھی ایک علمی جمعیت کے سب سے کم عمر سپاہی ہو۔اس کی عزت تمہارے ہاتھہ میں دی جاتی ہے۔جس طرح اس فوجی نوجوان کی شجاعت و مردانگی پوری جمعیت کے لئے باعث فخر و نام آوری

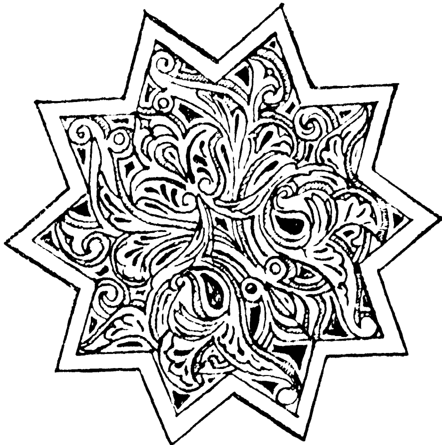
ہوتی ہے، خدا کرے کہ علم و فن کی دنیا میں تمہاری سرگرمیاں بھی تمہاری جامعہ کا نام روشن اور تابناک کردیں۔

مگر یاد رکھنا کہ اپنی زندگی علم کی خالص طلب میں وقف کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ جس قدر تم زیادہ غور اور مطالعہ کروگے اسی قدر تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ نفیس ترین جواہر افکار اسی طرح وجود میں آتے ہیں جس طرح فطرت بے شمار عناصر صرف کرکے ایک پارۂ الماس تیار کرتی ہے۔ وہ نئے خیالات جو تم دنیا کے نامور حکما اور فضلا کی تحقیقاتوں کے مطالعہ کے بعد اپنی جان کاہی اور تحقیق سے پیدا کروگے وہ تمہاری مادر علمی یعنی جامعۂ عثمانیہ کے تاج فضیلت کے سچے موتی ہوں گے۔ اہل علم کے وارث اُن کی اولاد نہیں بلکہ رشید شاگرد ہوتے ہیں۔ اس لئے تم بھی سعادت مند طالب علموں کی طرح کامل جد و جہد اور سعی سے علمی سرمایہ جمع کرو اور جاتے وقت یہ اِرث اُن جانشینوں کے لئے چھوڑتے جاو جو تمہارے بعد جامعۂ میں آئیں گے تاکہ تمہارے کام سے انہیں فخر اور تمہارے نام سے انہیں مسرت ہو۔ تم میں سے ہر شخص جامعۂ عثمانیہ کا سفیر ہے اور تمہارا فرض ہے کہ اس پیام کو ملک کے ہر حصے میں پہنچاو اور نور علم سے تاریک ترین کونوں میں اُجالا کردو۔ جامعہ کی عزت تمہارے ہاتھ ہے۔ لوگ تمہیں دیکھ کر جامعہ کے حسن و قبح کا اندازہ کریں گے۔ اس لئے تم عالی ظرفی، رواداری

خوش اطواری اور ملک کی محبت ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ یہی تمہارا اصل امتحان اور یہی تمہارے علم و اخلاق کی کسوٹی ہے۔اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ ابنائے وطن افسوس ناک جہل اور اوہام میں گرفتار ہیں اور جہالت، افلاس اور تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے۔اب اس تربیت گاہ سے جس نے تمہیں مادر مشفقہ کی طرح پالا ہے، یہ مشعل ہدایت لے کر جاؤ اور جب تک زندہ رہو ملک سے جہالت اور اوہام کی ظلمت کو زائل کرنے میں سعی کرتے رہو کہ اس سے بڑھکر ملک کے حق میں کوئی کار خیر نہیں ہوسکتا—

حاضرین:—

اب آپ میرے ساتھ دست بدعا ہوں کہ خداوند عالم ہمارے آقائے نامدار کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے—



بھٹکی ھوئی نیکی

از

(جناب مولوی شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی

رکن دارالترجمہ حیدرآباد دکن)

(حضرت جوش نے "یوم کلیہ" میں شرکت کے لئے خاص طور پر زحمت فرمائی تھی اور حیدرآباد سے اپنے ساتھہ کالج کے لئے ایک ھرا بھرا گلدستہ بھی لائے تھے - یہ فلسفیانہ اور پاکیزہ نظم انھوں نے بھرے جلسہ میں پڑھی اور حاضرین نے اُن پر داد و تحسین کے پھول برسائے - نظم کا مضمون اور طرز بیان دونوں بے نظیر ھیں - یہ اُن نظموں میں سے ھے جن سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ اُردو شاعری میں ایک نیا رنگ پیدا ھو رھا ھے - اڈیٹر)

ھر شے کو مسلسل جنبش ھے، راحت کا جہاں میں نام نہیں
اس عالم سعی و کاوش میں دم بھر بھی ھمیں آرام نہیں
چھائی ھے فضا پر تشنہ لبی، مفقود یہاں سیرابی ھے
ھر جسم میں اک بے چینی ھے، ھر روح میں اک بے تابی ھے
اِس بزم عمل کا ھر ذرہ بے چینیوں کے انبوہ میں ھے
اک رعشۂ پیہم کاہ میں ھے، اک لرزش پنہاں کوہ میں ھے

ہستی کی سماعت مضطر ہے' عشرت کے ترانے سن نے کو
ہر نقص کا دامن پھیلا ہے' تکمیل کی کلیاں چن نے کو
طوفان ہے قلب پستی میں کیا بام فلک پر چڑھنے کا
اک رو ہے ترقی کرنے کی' اک جوش ہے آگے بڑھنے کا
ہر موم کو دھن ہے شمع بنے' مضطر ہے پگھل جانے کے لئے
ہر سنگ کا سینہ جلتا ہے پارس میں بدل جانے کے لئے
انگاروں پہ شعلے لوٹتے ہیں' بجلی پہ تفوق پانے کو
چنگاریاں مرغ بسمل ہیں' تاروں کی جگہ کھل جانے کو
بے چین بگولا رقصاں ہے آندھی پہ شرف پانے کے لئے
جو موج ہے پیچ و تاب میں ہے' دھارے سے اُلجھ جانے کے لئے
ہر قطرۂ دریا غلطاں ہے موتی پہ تسلط پانے کو
ہر ذرۂ خاکی اُڑتا ہے خورشید سے ٹکر کھانے کو
ہر دل میں خلش ہے پھولوں سے اُمید کا دامن بھرنے کی
ہر شے کی تڑپتی فطرت میں خواہش ہے' ترقی کرنے کی

—— : o : ——

(۲)

فطرت کی ندا ہے یہ خواہش' ہمت جو دلوں میں بھرتی ہے
انساں کو بلندی کی جانب ہر وقت پکارا کرتی ہے
ہر قلب میں یوں ہی یہ جذبہ رفعت کی تمنا بھرتا ہے
جس طرح زمیں کا زور کشش اجسام کو کھینچا کرتا ہے
خواہش ہی تقاضا کرتی ہے' ہستی کی مہم سر کرنے کا
خواہش ہی اشارہ کرتی ہے دنیا کو مسخر کرنے کا

—— : o : ——

(۳)

ہر چند یہ "خواہش" نادر ہے، لیکن یہ عجب نظارہ ہے
یہ حور بہشتی دنیا میں بے عقل سلیم آوارہ ہے
گو عقل کا استدلال غلط، تدبیر کو اُلجھا دیتا ہے
ہر حال میں لیکن "خواہش" اک شفاف درخشاں دریا ہے
اُس وقت بھی جب عصیاں کی بدولت دل میں کثافت رہتی ہے
انساں کے سینے میں "خواہش" لبریز لطافت رہتی ہے

—— : o : ——

(۴)

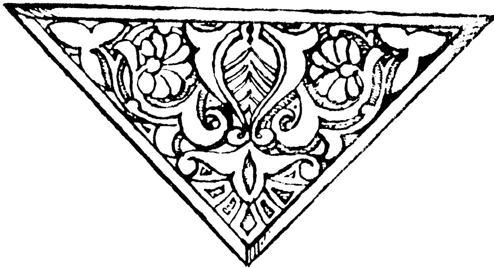
وہ چور، جو شب کے پردے میں سرقے کی غرض سے آتا ہے
جی کھول کے جو بے رحمی سے اسباب اُٹھا لے جاتا ہے
ایک ایسی ہی خواہش اُس کو بھی چوری کے لئے اُکساتی ہے
جس طرح کی "خواہش" نورانی دیوتاؤں میں پائی جاتی ہے
سارق بھی فرشتوں ہی کی طرح تسکین دلی کا جویا ہے
سارق نے مگر نادانی میں تسکین کا رستہ کھویا ہے
رہبر ہو کہ رہزن، دونوں میں تسکین کی خواہش یکساں ہے
قسمت سے وہ سیدھی راہ پہ ہے، یہ راہ بھٹک کر حیراں ہے
عارف نے یہ سمجھا یکسوئی اشکوں کو گرا کر ملتی ہے
قاتل نے یہ سمجھا انساں کا وہ خون بہا کر ملتی ہے
صوفی نے یہ سمجھا وہ دل کے پیمانے میں مل جائے گی
میکش کی سمجھ میں یہ آیا میخانے میں مل جائے گی

پس ذوق طرب میں جو انساں رہتا ہے سدا میخانوں میں
ہے اصل میں وہ بھی دنیا کے معصوم ترین انسانوں میں

———: o :———

(۵)

جال اُس پہ نہ ڈال اے صید فگن! وہ بام حرم کا طائر ہے
آیا ہے بھٹک کر دیر میں جو، گمراہ نہیں ہے، زایر ہے
جتنے بھی زمیں پر مجرم ہیں "خواہش" ہی کے زیر فرماں ہیں
ہر جرم سیہ کے محضر پر "خواہش" ہی کی مہریں تاباں ہیں
المختصر اِن تشریحوں سے ہم پر یہ حقیقت کُھلتی ہے
کہتے ہیں جسے دنیا میں "بدی" بھٹکی ہوئی وہ اک نیکی ہے



من کی موج

(سمندر اور دریا کی موجوں کے اتار چڑھاؤ کو تو انسان کی عقل "قانون" اور "نظام" کی تحت میں لے آئی ہے لیکن "من کی موج" کے لئے اب تک قاعدے قانون نہیں بنائے گئے' اس کے مد و جزر کی زد میں آکر انسان ایک دوسری ہی دنیا میں پہونچ جاتا ہے۔ عقل اور ذہن کے پتلے اس دنیا کی نیرنگ نمائیوں کو "خیال کا کرشمہ" کہکر ٹال دیتے ہیں' لیکن عملی حیثیت سے اس کی اہمیت "اظہار خیال" کے اور سب طریقوں سے کہیں زیادہ ہے۔ تہ کی باتوں کو اوپر لانے والی اور انسان کے چھپے ہوے خیالات اور گنوں کو ظاہر کرنے والی یہی چیز ہے' ہمیں امید ہے کہ "نورس" کے ناظرین "من۔موجی" کی باتوں کو گوش ہوش سے سنیں گے۔ "من۔موجی" کا پردہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ عقل و ہوش کی ذمہ داریوں سے نجات ملے ' سرسری طور پر پڑھو تو اسے دلچسپ پاؤگے' دل لگا کر سنو تو یہی باتیں سبق آموز ہوں گی ' خیالات کو شہ دیں گی۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے من۔موجی دوست اس قسم کی "ٹھکانے کی باتیں" آئندہ بھی سنائیں گے۔ اڈیٹر)

کل میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا " دیکھو یہ پھول کتنا خوبصورت ہے " میں نے سنا اور نفرت سے منہ پھیر لیا، پھر تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے ایک آدمی دکھایا اور کہا یہ بڑا نیک ہے، میں پھر ادھر سے پلٹ گیا، لوگ خوبصورت، نیک، اچھا اور اسی قسم کے لفظ بولتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، میں انہیں سنتا ہوں تو رنجیدہ ہوتا ہوں، جیسے ہی میرے کانوں میں " خوبصورت " کی آواز آتی ہے، ویسے ہی اندر والا کہتا ہے کہ پھر بد صورت بھی ہوگا، جیسے ہی میں " نیک " سنتا ہوں اندر والا کہتا ہے کہ پھر تو بد بھی ضرور کہیں ہوگا، اگر میں پرندہ ہوتا تو نیک، بد، حسین، کریہہ غرض کہ سب اسمائے صفت کی سطح سے اوپر اُڑ جاتا .. ..

:O:

میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا " پاک اور عقل مند بنو تو دنیا کو دس گنا زیادہ فائدہ پہونچے " میں نے کہا " تو پاکی کو دور کردے اور عقل مندی کو ہٹادے تو سو گنا زیادہ فائدہ پہونچے " وہی اسمائے صفات !

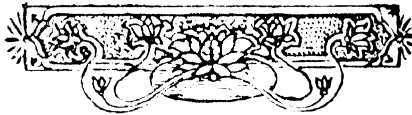
کل میں ایک دوکان پر گیا، وہاں دیکھا کہ ہر چیز پر رنگ برنگ کی چٹھیاں لگی ہیں، جن پر قیمتیں درج ہیں، کیا انسانوں پر بھی چٹھیاں لگانے کی ضرورت ہے۔ پھر اسمائے صفات کیوں؟ اچھا کیوں، برا کیوں، نیکی کیوں، بدی کیوں، ایمانداری، بے ایمانی، فیاضی، کنجوسی، یہ سب کس لئے؟

میں نے ایک فقیر سے کہا " لوگ فیاض نہ ہوتے تو اچھا تھا " اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا ، پھر میں نے ایک امیر سے کہا ، " لوگ فیاضی کی تعریف نہ کرتے تو اچھا تھا " اس نے مجھے اپنے مکان سے نکلوا دیا ، وہی اسمائے صفات ! نیکی پہلے کی گئی ، پھر نیکی کہلائی ، بہادری پہلے دکھائی گئی ، پر صفت بنی ، فیاضی ، ہمدردی ، احسان ، ظلم ، کنجوسی ، پہلے پیدا ہوئے ، پھر ان کو نام دے گئے ، دریا سیدھا بہتا ہو ، دیواریں کھڑی کردو تو بہاو بدل جائے گا ، اسی طرح دیواریں کھڑی کرتے جاو تو دریا پانی کی بھول بھلیاں ہو جائے گا ، وہی نام کا پھیر ! صفت بندی ، درجہ بندی ، اسم بندی سب دراصل دیوار بندیاں ، ہیں - سیدھے راستہ سے بہت کم لوگ بھٹکتے ہیں ، کسی کو نیک مت کہو ، کوئی برا نہ ہوگا ، کسی کو سخی مت کہو ، کوئی کنجوس نہ ہوگا ، نفع کی خواہش چھوڑ دو ، مکانوں سے پہرا ہٹا لو تو چور ڈاکو غائب ہوجائیں گے ، بہادری مٹا دو ، بزدلی بھی مٹ جائے گی ، حکم ، اٹھالو ، عدول حکمی نہ ہوگی ، اچھی صفتیں اٹھالو بری صفتیں آپ جاتی رہیں گی ، دنیا ان دیواروں کو کیوں پسند کرتی ہے ؟

من کی روشنی ! یہ بڑی چیز ہے ، من اندھیری رات بھی ہو تو من کی روشنی میں سیدھا اپنے گھر چلا جاتا ہوں - میرے دوست کے گھوڑے کا بھی یہی حال ہے ، کل میں نے گلی میں رنگ برنگ کی قندیلیں روشن کیں ، فوراً پرچھائیں پیدا ہوگئی ، اور گھوڑا بدکنے لگا ، رنگین روشنیاں

نہ ہوتیں تو رنگ برنگ کی پرچھائیاں بھی نہ ہوتیں، دوست نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو، میں نے کہا "اسماے صفات پیدا کرتا ہوں، نتیجہ تم دیکھہ لو" رنگین قندیلیں اچھی صفتیں ہیں، پرچھائیاں بری صفتیں ہیں، اُس کا نام متا دو تو اس کا نشان بھی نہ رہے۔ من کی روشنی سنسار کے ہیر پھیر کے لئے کافی ہے، دیکھیں اس پہیلی کو کون بوجھتا ہے۔

باقی آیندہ۔ من۔ موجی



داس بحیثیت شاعر

از

(گوکل داس طالب علم ایف - اے سال دوم)

چت رنجن داس کے بڑے پیشوا اور دیشبندھو اور لایق وکیل ھونے کے متعلق بہت کچھہ لکھا گیا ھے - ھم کو اس مضمون میں صرف اُن کی شاعری سے بحث کرنی ھے - آپ کی قربانیاں بہت زیادہ اور آپ کا جذبۂ آزادی بہت زبردست تھا - لیکن اُن کی ادبی قابلیت کے سامنے یہ جوھر بھی ماند پڑ جاتے ھیں - اگر اُن کی تصنیفات پر سرسری نظر بھی ڈالی جاے تو بھی یہ بخوبی معلوم ھوتا ھے کہ آپ اعلیٰ درجہ کی ادبی قابلیت رکھتے تھے اور اگر آپ تھوڑا سا وقت بھی اپنے ادبی ذوق میں صرف کرتے تو ضرور اُس میں بھی آپ نمایاں کامیابی حاصل کرتے - اُن میں ساری باتیں سچے شاعروں کی سی تھیں - وہ ایک شاعرانہ روح لے کر پیدا ھوے تھے - ایسی روح جو دیکھتی ھے، ترنم ریز رھتی ھے اور جس کی گہرائیوں میں ھمیشہ جذبات کے شعلے بھڑکتے رھتے ھیں اور والہانہ طور پر اشعار کی شکل میں ظاھر ھوتے ھیں - اس کی وجہ یہ تھی

کہ آپ ٹھیٹ بنگالی تھے اور قدرتی طور پر آپ کی طبیعت ایک پاک بنگالی کی سی واقع ہوئی تھی - ہم اس کی جھلک اُن کی فیاضی اور نرم دلی اور اُن کے وسیع خیالات میں بھی پاتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے وہ ''شکتی دیوی'' کی حمایت لے سکتے تھے اور زندگی کے کاروبار میں اُس کا اثر پیدا کرتے تھے—

آپ کبھی زمانۂ گذشتہ کے رسم و رواج سے منحرف نہیں ہوے اور ہمیشہ زمانۂ حال کے بہترین رجحانات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے - وہ ایک شاہزادوں کا سا دل' شیروں کی سی شجاعت اور عورتوں کی سی ذکی الحس طبیعت اور ایک نوجوان کا سا جوش و خروش رکھتے تھے - آپ ہمارے ہاں کے قدیم اشرافوں (Aristocrat) کا نمونہ تھے - پیدایش' تربیت' تعلیم' مزاج سب کچھ اشرافوں کا سا تھا - اُن کی ہر بات میں ایک شاہانہ جلال پایا جاتا تھا - خواہ دولت کی فراہمی ہو یا ترک لذات' پر جوش خطابت ہو یا سنجیدہ خاموشی' نظم ہو یا نثر' ہر چیز میں اس کی جھلک موجود ہے - یہی وجہ ہے کہ بنگالی ادب میں آپ نے ایک حیات تازہ پھونکی اور ساگر سنگیت کا سا نظموں کا مجموعہ اپنی یادگار چھوڑا--

ساگر سنگیت بنگالی زبان میں ہے اور خود مصنف ہی نے اس کا انگریزی ترجمہ بحر ترنم (Song of the Sea) کے نام سے کیا ہے - ارنبدو گھوش نے اس کا منظوم انگریزی

ترجمہ کیا ھے۔ ان دونوں کی روح میں ایک قسم کا لگاؤ پایا جاتا ھے۔ دونوں کی غم و خوشی میں یکساں حالت ھوتی ھے۔ اگر ایک طرف داس کی لرزتی ھوئی آواز نے گھوش کے پاک اور روشن نام سے داغ بدنامی مٹایا تو دوسری طرف گھوش کے جذبات کی جھلک سے داس کے گیتوں میں جادو بھرا اثر پیدا ھو گیا۔

اس کتاب میں تقریباً چالیس نظمیں ھیں اور ان سب کا مشترک موضوع سمندر ھے۔ شاعر صرف سمندر کے متعلق گاتا ھے، صرف سمندر کو دیکھتا ھے اور سمندر ھی کا خیال کرتا ھے، اسے خواب میں بھی سمندر دکھائی دیتا ھے۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ یہ گیت اُس کی روح کی تہ میں پہونچ چکا ھے اور اس کے وجود کی بنیاد تک سرایت کرچکا ھے۔ اُس کے کاسۂ دل میں غم و خوشی دونوں یکساں جھلکتے نظر آتے ھیں۔ دریا کی لہروں کے مانند اُس کے دل میں مختلف جذبات لہراتے رہتے ھیں اور ظاھر ھونے کے لئے تڑپتے ھیں اور ان گیتوں کی شکل میں باھر آتے ھیں۔ اس لئے مصنف سمندر ھی کے مختلف اوقات کے مختلف نظاروں کے گیت گاتا ھے۔ اُس نے سمندر کا طلوع آفتاب کا، غروب آفتاب کا، صبح کا، دوپہر کا، رات کا، نہایت ھی عمدہ منظر کھینچا ھے۔ سمندر کی سب حالتیں اُس کی عظمت، نور و ظلمت، تاریکی، سکون، طوفان، سب کا نقشہ کھینچا ھے۔ لیکن یہ نہ سمجھئے کہ صرف بیان ھی سے شاعر کی تشفی ھو جاتی ھے۔ وہ صرف لفظی تصویریں اور

کیمرے کی طرح ھوبھو فوٹو کھینچنے کا شوقین نہیں ھے - اُس کی نظر صرف حسن ظاھری سے آسودہ نہیں ھوتی بلکہ نقاب اُٹھا کر پس پردہ جو جھلک ھے اُسے دیکھنا چاھتی ھے - اُس کی کوشش ھمیشہ یہ رھتی ھے کہ سمندر کے دل کے بندھنوں کو کھول دیا جائے اور اُس کی روح کا بر ملا نظارہ کیا جائے - اُس کو ھمیشہ سمندر کی عجیب و غریب شخصیت کی تلاش رھتی ھے - عام طور پر یہ شخصیت بھاگتی اور بچتی پھرتی ھے اور آسانی سے قابو میں نہیں آتی - لیکن اس کے باوجود ان کے گیتوں کے جال سے یہ نہ بچ سکی اور سمندر الفاظ میں مقید ھو گیا - اُس کی روح ھمیشہ سمندر کی روح کے ساتھہ ھم کلام رھتی ھے اور جس طرح کہ ایک سارنگی سارنگئے کی اُنگلیوں کے مس سے مترنم ھو جاتی ھے اسی طرح سے ان کا دل سمندر کی روح سے خود ایک بحر ترنم بن جاتا ھے —

اب سمندر کی آواز خواہ میدان میں بہنے والے نالے کی طرح دھیمی اور نرم ھو یا اس میں بادلوں کی سی گرج پائی جائے - خواہ اُس کا اثر شراب کی طرح کیف آور ھو یا شہد کی طرح حلاوت رکھنے والا، خواہ اُس میں اُن آنسوؤں کا سا سوز و گداز پایا جائے جو کسی کی آنکھوں سے بہتے ھیں، ان سب مختلف حالتوں کے پیچھے شاعر کو ایک ھی ھستی جلوہ افگن نظر آتی ھے - وہ اُسے دیکھتا ھے اور بیتابانہ پکار اُٹھتا ھے —

" تیرے گانے میں یہ کون سے شبد ھیں، تیری راگنی

کیا ھے"—

"تیری گہرائیوں میں کون سی روح بستی ھے جو تیرے بھیس میں آکر ھنستی اور روتی ھے"

" وہ کون سا خیال تجھ میں چھپا ھوا ھے جو ھمیشہ اُبھرا کرتا ھے" —

اب ایک دوسرے نظارے پر توجہ کیجئے - صبح کا وقت ھے اُفق پر ھلکی ھلکی سفید روشنی پھیلی ھوئی ھے - شاعر کان لگاکر سمندر کے دل آویز نغموں کو سنتا ھے - جو راگ بلند ھوتا ھے وہ اس کے دل میں بھی سما جاتا ھے - اُسے محسوس ھونے لگتا ھے کہ جھاگ کی تہ کے نیچے ضرور کوئی ایسی روح محو ترنم ھے جو اب تک کالبد خاکی میں نہیں آئی - یا یہ کہ "کوئی آواز ضرور اس میں ایسی ھے جو سمندر سے بلند ھوکر تمام فضا کو موسیقی میں بدل رھی ھے"

لیکن جب شاعر کی سمجھ میں سمندر کا یہ بھید نہیں آتا تو وہ بے اختیار ھوکر پکار اٹھتا ھے " اے لامحدود آواز - او مجھے پکارنے والی روح اگرچہ میں تجھ سے واقف نہیں ھوں ، تجھے دیکھہ نہیں سکتا ، لیکن پھر بھی تیرے نغموں سے متاثر ھوکر میرے اعضا میں ایک خوش گوار اور زبردست لرزش پیدا ھوجاتی ھے —"

داس حسن مجسم کا جویا بھی ھے - سمندر کی پر اسرار روح سے وہ پریشان ضرور ھوتا ھے - لیکن اس سے بچکر وہ اس کے نغموں کے الاپ میں محو ھوجاتا ھے اس کے ذیل کے اشعار پر غور کیجئے —

"تہوار کا دن ھے۔صبح کا وقت ھے۔سورج کی سنہری تڑپتی ہوئی کرنیں سمندر کی لہروں پر رقص کرتی ھیں اور ان سنہری زنجیروں کی طرح معلوم ہوتی ھیں جو کسی حسین کے پاوں کو زیب دے رھی ھوں۔سمندر کی آواز میں پر لگ جاتے ھیں اور پانی کے ذخیرے کی بجاے اب وہ ایک گانے والی شاما بن جاتا ھے—

سماں تو یہ ھے لیکن شاعر کا دل بے چین ھے۔اس کے دل پر بوجھہ ھے۔وہ خود نہیں جانتا کہ یہ بوجھہ فرحت و انبساط کا ھے یا حزن و ملال کا۔اس کے پاس اپنی اس قلبی کیفیت کے لئے کوئی نام نہیں۔وہ بیتابانہ پوچھہ اٹھتا ھے—

" اے سمندر اس تہوار کے دن جب کہ تیری مسرت مجھے باھر کھینچ لائی ھے ' میرے دل کی گہرائیوں میں افکار کا ایک بوجھہ ھے میں اسے کہاں اتاروں "

اب افق پر اور زیادہ تیز روشنی پھیلی ہوئی ھے۔سمندر کی ھر لہر جو اُٹھتی ھے ایک عجیب و غریب نغمہ لئے ھوے آتی ھے۔فضا اس نغمہ کو اپنے آغوش میں لے لیتی ھے ھوا بھی اُسی کو الاپتی ھے۔ایسا معلوم ھوتا ھے کہ تمام دنیا میں ایک نغمۂ زریں پھیلا ھوا ھے ایسا نغمہ جو ایک لمبے سنہری تار کی طرح کہیں سے بے جوڑ نہیں ھے۔شاعر کا دل بھی اس نغمہ سے لبریز ھوجاتا ھے وہ بھی الاپ اُٹھتا ھے—

" میرا دل ایک سارنگی بن گیا ھے۔اس کے ہزاروں

تاروں سے تیرے سروں کی صدا آتی ہے تیری انگلیوں کے مس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سارنگی کی جو تان ٹوٹتی ہے اُس میں تیری عظمت اور جلال کا ذکر ہوتا ہے-تیری رات بھی عجیب و غیریب ہے تیری روشنی بھی پر اسرار ہے-اے سمندر-اے روح اِس نور و ظلمت میں تو اپنی اس سارنگی کو ایکساں بجاے جا"

ان ناظرین کی سہولت کے لئے جنہوں نے داس کے جذبات کو اصل یا ترجمہ کی شکل میں اب تک نہیں دیکھا ہے ہم بشنور پرشاد منور کا ساگر سنگیت کا تھوڑا سا اردو ترجمہ اور مولانا سلیم صاحب کا منظوم اردو ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں یہ اقتباسات معزز رسالہ زمانہ سے لئے گئے ہیں —

"آسمان پر آج کوئی صدا باز گشت نہیں کرتی- تمام دنیا پر سکوت کا عالم طاری ہے اے ذات غیر محدود-تیری زبان حال پر بھی ایک لفظ نہیں آتا—

"ہنگام شام کی بارش تجھہ پر اپنے سکون بخش اثرات ڈال رہی ہے اور تو اسوقت نہایت امن و طہارت کے ساتھہ بے حرکت اور خاموش لیٹا ہوا ہے رات کی پہلی زرد زرد کیپھا میں گر کر تیرا راگ خاموش ہوگیا—

"تیرے لعیم و شعیم کالبد میں ایک مستی خیز سرور سے چار سو لپٹ کر میرا چھوٹا سا کاشانہ رنج و راحت ڈوبا جا رہا ہے اور" فطرت "خاموش اور دلفریب کنول کے مانند تیری جانب تیر کر دوڑی آرہی ہے اور

موت اور کال عالم حسرت میں پابستہ تیرے قدم پر گر رہے ہیں—

"کوئی طاقتور مرتاض اس وقت میرے سینے پر آسن جمائے بیٹھا ہوا ہے اور کس طرح۔یکسو حبس دم میں مشغول۔خاموش۔آنکھیں بند کئے ہوئے بالکل بے حرکت—

"اے بحر ناپیدا کنار مگر میں نے اس کی تنویر کا نظارا کر لیا ہے۔گو اُس کی ذات تک میری رسائی نہیں ہوئی۔ میں خاموشی سے چشم براہ ہوں۔مجھ کو بھی غیر صوری روح بنا کر اپنی روح میں وصل کر لے۔ہم دونوں ذات واحد ہو جائیں۔دوئی نہ باقی رہے—

———:o:———

ترجمہ منظوم از پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم

آ اے کہ تری ہر لہر سدا
مشغول ہے قطرہ نوازی میں

تو مست ہے عشوہ طرازی میں
میں گم تری شعبدہ بازی میں

تو نور و ضیا کا سمندر ہے
ظلمت سے بھری ہستی ہے مری

تو موج پہ ہے، تو اوج پہ ہے
مشتاق تری، پستی ہے مری

اس وقت کہ دنیا نیند میں ہے
سنسان ہے سطح سمندر کی

ہے چاندنی پھیلی چار طرف
دلچسپ فضا ہے منظر کی
کیا سچ ہے کہ تو بھی جلوہ نما
ہے جلووں کے اس منظر میں
کیا تیری نشیلی آنکھوں نے
مستی یہ بھری ہے سمندر میں
یہ سچ ہے، تو ڈال اے حسن ازل
پرتو مرے اس غمخانے پر
مشتاق ہوں تیرے کرشمے کا
ہوں شیفتہ تیرے ترانے پر
پہناؤں گا جامہ نظم کا میں
جب اپنے دل کی صداؤں کو
رگ رگ میں برنگ برق تپاں
دوڑاؤں گا تیری اداؤں کو
اے مطرب روح ہو جلوہ فگن
پھر آج شب تنہائی میں
ہے چھیڑتا اپنے ترنم کو
تو روحوں کی گہرائی میں



عذر گناہ

(ذیل میں ہم اپنے اُن عزیز طلبہ کا خط چھاپتے ہیں جو گزشتہ سال پہلی بار ہمارے کالج سے کامیاب ہو کر کلیۂ جامعۂ عثمانیہ میں شریک ہوے۔ اس حسرت بھرے خط کو پڑھ کر ہمیں اور اُن کے پروفیسروں کو جس قدر افسوس اور رنج ہوا اس کا اظہار اس وقت بے موقع ہے۔ ہمیں خود حیرت ہے کہ جب ہم جشن یوم کلیہ کے لئے اپنے دوستوں اور ہمدردوں کو دعوت دے دے کر بلا رہے تھے تو اپنے عزیزوں کو کیوں بھول گئے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی نظر دور دور کی خبر لاتی ہے اور قریب کی چیزوں سے چوک جاتی ہے۔ اسی طرح اکثر ایسا ہوا ہے کہ آدمی غیروں کی خاطر مدارات میں اپنے عزیز و اقارب کو بھول جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ خود میزبان ہوتے ہیں۔ ہم اس جشن کی تیاری اور انتظامات میں اس قدر مصروف تھے کہ ہمیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ جو اس خوشی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں انہیں بلائیں اور شریک کریں۔ یہ عذر نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی عذر پیش ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اور اس

پر نادم ہیں - کہ اب اس کی کوئی تلافی بھی نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ ہم اُن عزیز طلبہ کے خط کو (جس میں ادبی شان بھی ہے اور محبت کی رنگ و بو بھی) چھاپ کر اپنے قصور کا علی الاعلان اعتراف کریں - ہم اُن کے ممنون ہیں کہ گو ہم ایک وقت پر انہیں بھول گئے مگر وہ ہمیں نہیں بھولے اور یہ سبق انہوں نے ہمیں ایسا دیا ہے جو ہم کبھی نہ بھولیں گے - (اڈیٹر)

---: o :---

مسرت منزل ۱۱ آذر سنہ ۱۳۳۵ف
یوم جمعہ

ہماری سالگرہ

اے مادر علمی (اورنگ آباد کالج) تیرا آغوش علم آموز کچھہ ہی قبل ہم سے خالی ہوا ہے - ابھی ابھی تو نے ہم کو ایک دوسری علمی دایہ کے سپرد کیا ہے - تو نے اپنی صفحۂ یاد سے ہمیں اتنی جلد مٹا دیا - کیا کسی ماں نے اپنے بچوں کے ساتھہ ایسا کیا ہے ؟

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز

لیکن نہیں ، ہم نہیں بھولے - ہمارے دلوں میں یاد تازہ ، محبت جوش زن ہے ، ہم وعدہ کرتے ہیں ، یقین دلاتے ہیں ، تیری الفت ہمارے دلوں سے مٹ نہیں سکتی ، لیکن افسوس کہ ہم بھلائے گئے —

آج اتفاق سے (جب کہ ہماری سالگرہ کی تقریب میں ایک عظیم الشان محفل منعقد ہونے والی ہے) ہم کو معلوم ہوا کہ سالگرہ کی خوشیاں منائی جائیں گی، ایک علمی محفل ہے، علم دوست، علم پیشہ، علم پرور حضرات اس محفل کو زینت بخشیں گے۔ تیاریاں خاص طور پر کی گئی ہیں، آج وہ دن ہے جب اُردو کا گہوارہ، مشہد کہن عالمگیر کی یادگار اورنگ آباد جس قدر فخر کرے بجا ہے۔ اس دیار حسرت آثار کا آج ذرہ ذرہ روکش آفتاب ہے۔ یہ کب معلوم ہوا؟

هم اسیران قفس کو تب خبر دی تو نے آہ
لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن اے صبا

قسمت ان جرعہ نوشوں کی جو اس محفل میں شریک ہیں۔ محفل ہماری، ساقی ہمارا، اس پر دیکھئے نیرنگی تقدیر کہ تشنہ لب ہم ہیں۔ غیر سرشار و مست اور ہم مضطرب و بے قرار!

کس قدر پریشان کن، افسوس ناک اور اضطراب خیز ہے ہماری سالگرہ کی مبارک باد! دوستو! ہماری قسمت پر ماتم کساری کرو۔ کاش ہم کو ایک روز قبل اس کا علم ہوتا، اس عظیم الشان علمی جلسہ کی ایک روز پہلے خبر ہوتی۔ ہم فوراً پہونچ جاتے محفل میں شریک ہوتے۔ مادر کی زیارت، ساقی کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرتے۔ وقت گذر گیا۔ قلق ہے، دل پریشان، خاطر رنجیدہ ہے۔ اب بھی گرجوش اشتیاق میں چل کھڑے ہوں، وہاں پہنچیں تو

ڈر ہے کہ قسمت کے دھنی کہیں یہ نہ کہہ اُٹھیں—

حالی نشاط نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آے ہو وقت صبح رہے رات بھر کہاں

بس اب کف افسوس ملتے رہئے- وقت کا سانپ نکل گیا- لکیر پیٹا کیجئے- اب ایک توقع ہے کہ کوئی اس محفل کا ذکر کرے اور ہم نصف العیش کے مزے لیں- اس طرح مسرور ہوں اور دعا کریں کہ اس مادر علمی کے گود میں پلنے والے ہمارے بھائی خوش اور شاد کام رہیں—

ان دوستوں سے ہمدردی ہے جو ہم سے محروماں نصیب ہیں- اُن کی خدمت میں مبارک باد کا تحفہ پیش ہے جو اس میں شریک ہیں- ان خوش مستوں سے ہم عمر خیام کی رباعی میں گزارش کرتے ہیں—

یاراں چو باتفاق میعاد کنید
خود را بجہاں یک دگر شاد کنید
ساقی چو مے مغانہ در کف گیرد
بیچارہ فلاں را بدعا یاد کنید

محروماں نصیب
قدیم طلباء کلیہ (اورنگ آباد)



نکاح بالجبر

(یه ایک مجلس (act) کا بزمیه فرانس کے مایه ناز ڈراما نویس مولیر (Moliere) کی تصنیف ہے ' سنه ۱۶۳۴ میں تصنیف ہوا ' اور اسي سال کھیلا گیا ' مرزا نوشه کا سانگ خود مصنف نے بھرا ' اور شاہ لوی چہاردهم جوتشی بنا تھا ' علمی حیثیت سے بھی یه تمثیل دلچسپ ہے ' جس زمانه میں یه لکھا گیا وہ وہ زمانه تھا که جامعه فرانس نے یه قانون نافذ کیا تھا که جو شخص اشراقی فلسفه پر اعتراض کرے ' اور ارسطو کو برا بھلا کہے ' وہ گردن زدنی قرار دیا جاے ' مصنف کی جرأت قابل داد ہے ' هم نے اسے " اپنانے " کی پوري کوشش کی ہے ' علامه خجندی ' حکیم چلپی ' مرزا صمصام ' مرزا نوشه سب اصل کا چربه هیں ' اسے کلیه کے اساتذہ نے کیا تھا ' وجه ظاهر ہے ' طلبا اس تمثیل کو کامیابی کے ساتھه نه کرسکتے تھے ۰ همیں امید ہے که نمونه کے طور پر یه تمثیل هر کالج کے لئے مفید هوگی ' اس نوعیت کا ڈرامه اردو زبان میں اب تک دیکھنے میں نہیں آیا - اڈیٹر)

پہلا سین

(مرزا نوشہ پردے کے پیچھے سے کہتا ہوا باھر آتا ھے)

دیکھو جی، میں ابھی ذرا دیر میں واپس آتا ھوں، مکان ٹھیک ٹھاک رھے، ھر کام اپنے اپنے وقت پر ھو، اور ھاں، دیکھو اگر کوئی شخص روپیہ لے کر آئے تو مجھے فوراً جعفر صاحب کے گھر سے بلا لینا، اور جو کوئی روپیہ مانگنے آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں باھر گیا ھوں اور آج واپس نہ آؤں گا—

جعفر: (مرزا نوشہ کا آخری جملہ سن کر ماشاء اللہ، بہت معقول حکم ھے،

مرزا نوشہ: (جعفر کو دیکھ کر) آخاہ بھائی جعفر صاحب، خوب آئے، میں ابھی آپ ھی کی طرف جا رھا تھا—

جعفر: کیوں، خیر تو ھے—

مرزا نوشہ: جی کچھ نہیں، آج کل میں کچھ فکر میں ھوں، اسی کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا تھا—

جعفر: میں حاضر ھوں، شوق سے فرمائیے، ھم لوگ یہاں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کر سکتے ھیں-

مرزا نوشہ: (کرسی بڑھا کر، اور خود ایک کرسی لے کر) تو آپ مخلع بالطبع ھو جائیے، ھاں صاحب آج کل ایک نہایت اھم سوال میرے زیر غور ھے، اور آپ جانئے مخلص احباب سے مشورہ کر لینا ھمیشہ اچھا ھوتا ھے—

جعفر: عزت افزائی ھے، کہ یہ شرف مجھے ملا، ھاں تو بسم اللہ، میں ھمہ تن گوش ھوں—

مرزا نوشہ: لیکن جعفر صاحب، ایک شرط ھے۔ اپنی رائے بلا رو رعایت پیش فرما دیجئے گا، منہ دیکھی باتیں نہ ھوں—

جعفر: آپ کی مرضی ھے تو مناسب ھے، مجھے کوئی عذر نہیں—

مرزا نوشہ: نہیں صاحب پہلے اقرار کر لیجے—

جعفر: آپ کی دوستی کی قسم میں سچی سچی رائے دوں گا، لے اب کہہ چلئے—

مرزا نوشہ: (سنبھل کر بیٹھ کر، اور حلق صاف کر کے) بات یہ ھے کہ میں آپ سے یہ مشورہ لینا چاھتا ھوں کہ آیا، شادی کرنا میرے لئے مناسب ھوگا یا نہیں—

جعفر: چونک کر) کیا فرمایا! شادی، کس کی، آپ کی ؟

مرزا نوشہ: ھاں ھاں صاحب میری شادی، اسی کے متعلق تو آپ سے مشورہ کر رھا ھوں—

جعفر: (کچھ دیر ٹھیر کر) مرزا صاحب، گستاخی معاف پہلے مجھے کچھ پوچھ لینے دیجئے

مرزا نوشہ: ضرور دریافت فرمائیے—

جعفر: (ذرا رک رک کر) کیوں مرزا صاحب، آپ کے خیال میں۔ آپ کا....سن مبارک....کیا ھوگا۔

مرزا نوشہ: میرا سن ؟

جعفر: جی ہاں —

مرزا نوشہ: کیا عرض کروں، بات یہ ہے کہ خود مجھے ٹھیک سے یاد نہیں —

جعفر: کچھ نہیں تو ۵۲، ۵۳ کے پیٹھے میں تو آپ ضرور ہوں گے —

مرزا نوشہ: کون، میں! نہیں صاحب، یہ آپ کیا فرماتے ہیں، کہیں ایسا ہو سکتا ہے —

جعفر: خیر، لیکن چونکہ آپ مجھ سے صاف گوئی کا اقرار لے چکے ہیں اس لئے عرض کرتا ہوں، معاف کیجیے گا، مرزا صاحب! میری مخلصانہ رائے تو یہ ہے کہ اب آپ کی عمر شادی کی رہی نہیں - مختصر الفاظ میں اپنی رائے عرض کرتا ہوں، کہ اب آپ خانہ آبادی کے خواب نہ دیکھیں، اتنے دنوں تک آزاد رہنے کے بعد اب اس بھاری زنجیر کو اپنے ہاتھوں اپنے پانوں میں ڈالنا، آپ کی دانائی سے بعید ہے -

مرزا نوشہ: (کسی قدر جوش سے) تو جعفر صاحب، میں بھی صاف صاف عرض کئے دیتا ہوں کہ بندہ نے تو شادی کی پوری نیت کر لی ہے اور جو لڑکی میری نظر میں ہے، اس سے نکاح کرنا کچھ ایسی نادانی کی بات بھی نہیں -

جعفر: ہاں تو یہ اور بات ہے، آپ نے مجھ سے اب

تک یہ تو کہا ہی نہ تھا —

مرزا نوشہ: میں اسی لڑکی کو ہر طرح سے پسند کرتا ہوں، میں اس پر سو جان سے فدا ہوں —

جعفر: سو جان سے فدا ہیں؟

مرزا نوشہ: بے شک، اور میں اس سے گفت و شنید بھی کر چکا ہوں

جعفر: یہ مرحلہ بھی طے ہو چکا ہے

مرزا نوشہ: اجی آپ سنئیے تو، آج رات کو نکاح ٹھہر چکا ہے، اور میں زبان دے چکا ہوں —

جعفر: یہ صورت ہے! نہیں صاحب، پھر تو ضرور شادی کیجیے، اب اس میں کچھ کہنے کی گنجایش نہیں ہے —

مرزا نوشہ: بھلا آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ میں اس قصد سے کیوں کر دست بردار ہو جاوں، کیوں جعفر صاحب، ایک بات دریافت کرتا ہوں، کیا اب میں اتنا سٹھیا گیا ہوں کہ بیوی کا خیال تک نہ کروں! دیکھئیے! آپ میری عمر پر نہ جائیے گا، واقعات پر نظر ڈالئیے، کسی تیس برس کے جوان کو مجھ سے بھڑا لیجئیے، انشاءاللہ پھرتی اور تازگی میں آپ مجھے اس سے کچھ بیس ہی پائیں گے۔ آخر مجھ میں نقص ہی کیا ہے! کیا میرے اعضا جواب دے چکے ہیں، کیا میں چلنے پھرنے سے عاجز

اور گاڑی سواری کا محتاج ہو گیا ہوں، عجیب دنیا ہے —

جعفر: (جلدی سے) نہیں صاحب آپ بالکل بجا فرماتے ہیں، مجھے واقعی اس کا خیال نہ رہا تھا، آپ ضرور شادی کریں۔ اس سے اچھی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی —

مرزا نوشہ: ایک زمانہ ایسا تھا جب میں بھی اس خیال سے کچھ گھبراتا تھا، لیکن اب اس کی تائید میں میرے پاس کافی وجوہ موجود ہیں، پہلی وجہ تو یہ کہ جب میں تھک جاؤں گا تو میری خدمت اور سیوا کرنے والی، مجھے دلاسا دینے والی، ایک رفیق زندگی موجود ہو گی، اچھا اس کو بھی جانے دیجیے تو سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرے مجرد رہنے سے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے خاندان کا چراغ گل نہ ہو جائے

جعفر: میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کی رائے بہت صائب ہے بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اب اس کار خیر میں دیر نہ کی جائے۔

مرزا نوشہ: سچ کہئیے! کیا واقعی یہ آپ کی سچی رائے ہے۔

جعفر: یقین مانئیے کہ میں صحیح عرض کر رہا ہوں، اس سے اچھی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی —

مرزا نوشہ: (خوش ہو کر) مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے مخلصانہ مشورہ سے سرفراز فرمایا —

جعفر: ہاں صاحب، یہ تو فرمائیے کہ یہ معزز خاتون ہیں کون —

مرزا نوشہ: مرزا عسکری کی صاحبزادی شکیلہ، مرزا عسکری کو تو آپ جانتے ہوں گے —

جعفر: وہی شکیلہ نہ جن کے شوق اور خوش پوشی کے بہت چرچے رہتے ہیں —

مرزا نوشہ: جی ہاں وہی —

جعفر: مرزا صمصام کی بہن؟ وہی صاحبزادے نہ جو مونچھوں پر تاؤ دئیے ہوے، تلوار باندھے پھرا کرتے ہیں —

مرزا نوشہ: وہی - وہی - آپ تو جانتے ہیں —

جعفر: (منہ پھیر کر) اللہ رحم کرے —

مرزا نوشہ: ہاں تو اب کیا رائے ہے

جعفر: ماشاءاللہ بہت مبارک جوڑا ہے - تو اب آپ فراغت کر ڈالئیے —

مرزا نوشہ: (فخر کے ساتھ) کیوں صاحب، میرے انتخاب کی آپ داد تو نہ دیں گے —

جعفر: کیا کہنے ہیں - خوب گزریگی، آپ وقت ضائع نہ کیجیے اور شادی کر ڈالئیے —

مرزا نوشہ: آپ کی رائے سن کر کمال مسرت ہوئی، آپ کو بڑی تکلیف ہوئی، تو آج شب میں تو ضرور تشریف لائیے —

جعفر: انشاءاللہ ضرور حاضر ہوں گا لیکن لطف

دو بالا کرنے کی غرض سے ذرا بھیس بدل کر
آؤں گا—

(دونوں کھڑے ہو جاتے ہیں)

مرزا نوشہ: اچھا تو خدا حافظ،

(جعفر جاتے ہوے سر ہلا ہلا کر "رام ملائی جوڑی" "رام ملائی جوڑی" کہتا ہوا چلا جاتا ہے)

مرزا نوشہ اکیلے میں اپنے دل سے

("خدا نے چاہا تو یہ تقریب ضرور مسعود ہوگی، ہر شخص اس سے خوش نظر آتا ہے، جس جس سے ذکر کرو وہی ہنس ہنس کر تعریف کرتا ہے، مجھ سے زیادہ خوش نصیب آج روے زمین پر کوئی نہیں")

ایک لڑکا خط لئے ہوے آتا ہے—

مرزا نوشہ خوش ہوکر شعر پڑھتا ہے—

آے قاصد لیای ترے قدموں پہ سجدوں ہو نثار
ہے گوش مشتاق سخن ہاں جلد کہہ پیغام یار

(لڑکا سلام کرکے خط دیتا ہے، "سرکار یہ خط چھوٹی بیوی نے دیا ہے اور زبانی کہا ہے کہ میں آج کپڑا خریدنے جاوں گی، اور اُس کے بل آپ کے پاس بھیج دوں گی—

مرزا نوشہ: سلام کہدینا، کہدینا کہ میں حاضر ہوں۔ سب کچھ آپ ہی کا ہے—

(لڑکا جاتا ہے۔مرزا نوشہ خط پڑھتے ہیں)

شکیلہ کے مہربان، شکیلہ کی تسلیم قبول کیجئے—
ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اپنے ہونے والے

شوھر سے مل کر اُس کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کروں لیکن اس رسم و رواج کا برا ھو جس نے میرا ارادہ پورا نہ ھونے دیا ' اب اس خط کے ذریعہ آپ کی خدمت میں حاضر ھوتی ھوں-جس دن سے میں نے یہ سنا ھے کہ میری نسبت آپ کے ساتھہ طے پائی ھے مجھے اس کی فکر تھی کہ کسی طرح آپ کے حالات اور خیالات معلوم کروں ' چنانچہ جو باتیں مجھے معلوم ھوئی ھیں ' اُن سے پتہ چلتا ھے کہ انشاء اللہ ھماری ازدواجی زندگی بہت خوشی سے گزرے گی-ابا جان تو آپ جانتے ھی ھیں کہ پرانی لکیر کے فقیر ھیں-انہوں نے مجھے ھر طرح سے دبا کر رکھا اور اُبھرنے نہ دیا ' میری تعلیم اُن کی پابندیوں کی وجہ سے غارت گئی سوسایٹی میں آنے جانے سے انہوں نے مجھے منع کیا ' بہر حال خوشی کی بات ھے کہ اب اس قید و بند کا زمانہ ختم ھونے والا ھے اور میرا ھونے والا شوھر ایسا شخص ھے جو روشن خیال ھے ' اور کبھی میرے معاملات سے تعارض نہ کرے گا (مرزا نوشہ یہ جملہ پڑھ کر چونک اٹھتے ھیں) مجھے یقین ھے کہ جو وقت اس وقت تک گھر کی چاردیواری میں بے کار کٹتا ' وہ اب سوسائٹی کی چھل پہل میں کٹتے

گا، آپ اپنے حلقہ احباب میں اور میں اپنی تفریحات میں اپنا اپنا وقت گزاریں گے۔ میرے تھیٹر، سینما وغیرہ جانے پر آپ کو اعتراض نہ ہوگا، نہ میں عام بیویوں کی طرح آپ سے اس بات کی توقع رکھوں گی کہ آپ ہر وقت میرے پاس بیٹھے رہیں، اور نہ غالباً آپ ہی اس پر اصرار کریں گے کہ میں ہر وقت گھر میں گھسی بیٹھی رہوں، ہم میں کبھی کوئی لڑائی جھگڑا نہ ہوگا۔ نہ آپ مجھے شبہ کی نظروں سے دیکھیں گے، اور نہ میں آپ کے افعال کی ٹوہ لگاؤں گی، غرض کہ مزے کی زندگی گزرے گی۔ میں چاہتی تھی کہ آپ سے مل کر خود اس زندگی کے متعلق گفتگو کرتی۔ لیکن وہی رسم و رواج کا سوال درپیش تھا۔ اس لئے یہ عریضہ ارسال خدمت کیا گیا۔ مجھے جس بے چینی کے ساتھ آج کی شب کا، یعنی اپنی آزادی کی ساعت کا انتظار ہے۔ وہ میں خود ہی جانتی ہوں —

(مرزا نوشہ خط پڑھتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر اٹھتے ہیں اور ٹہل کر کہتے ہیں)

"سبحان اللہ! لاحول ولا قوۃ۔ ایں گل دیگر شگفت۔ نکاح کی شرطیں کس قدر معقول ہیں۔"

(خط کھول کر پڑھتے ہیں)

"میرا ہونے والا شوہر روشن خیال ہے، کبھی میرے معاملات سے تعارض نہ کرے گا"

"اچھی روشن خیالی ہے" (غصہ میں خط پھاڑ ڈالتا ہے)

"ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے، کوئی ترکیب ایسی کرنی چاہئیے جس سے ان مہذب خاتون سے نجات ملے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کس سے مشورہ کروں خوب یاد آیا۔ جعفر صاحب کے پاس جاتا ہوں—"

(باہر جاتا ہے، جعفر دوسری طرف سے آتا ہوا دکھائی دیتا ہے)

جعفر: تسلیم عرض کرتا ہوں مرزا صاحب! میں اس وقت یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ سروپ مل جوہری کے ہاں ایک بہت اچھی انگوٹھی بکاؤ موجود ہے، ہیرے کی ہے، آپ کی خاطر اس نے قیمت کم کرنے کا اقرار کر لیا ہے۔ آپ اسے دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔ (رک کر اور مرزا صاحب کی طرف غور سے دیکھ کر) خیر تو ہے۔ آپ کچھ خلاف معمول متفکر نظر آتے ہیں—

مرزا صاحب: (آہستہ سے) جی کچھ نہیں۔ صرف سر میں درد ہے۔ ہاں؛ تو انگوٹھی کے بارے میں ابھی کوئی جلدی نہیں ہے، پھر دیکھ لی جائے گی—

جعفر: (تعجب سے) پھر دیکھ لی جائے گی! اجی

صاحب آپ تو آج شادی کرنے والے تھے یا تو
یہ شوراشوری یا یہ بے نمکی ---

مرزا نوشہ: کیا عرض کروں، بات یہ ہے کہ اب مجھے خود کچھ تامل سا ہونے لگا ہے - میں چاہتا ہوں کہ پہلے اس معاملہ کی اچھی طرح چھان بین کر لوں - آپ جانتے ہی ہیں کہ بندہ خواب کا بہت کچھ قایل ہے، اور صبح ہوتے جو خواب دیکھے جاتے ہیں، وہ ضرور سچے ہوتے ہیں۔ اب جو میں نے غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ آج صبح میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں ایک جہاز میں سوار ہوں اور سمندر میں طوفان اٹھا ہے۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ———

جعفر: (بات کاٹ کر) مرزا صاحب! آپ کا قطع کلام ہوتا ہے، معاف فرمائیے - اس وقت مجھے بہت ضروری کام درپیش ہے۔ اس لئے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا - باقی رہی خواب کی تعبیر، تو آپ اس کے متعلق اتنا پریشان نہ ہوں، یہ واہمے کے کرشمہ ہیں اور آپ اگر تعبیر چاہتے ہی ہیں تو خود آپ کے پڑوس میں دو حکیم اور فلسفی رہتے ہیں - یہ بزرگ معقولات اور منقولات و منطق و فلسفہ وغیرہ میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں - ان سے ضرور مل لیجئے۔ تو اب آداب عرض کرتا ہوں، شب میں حاضر

ہوں گا—

(چلا جاتا ہے)

مرزا نوشہ: خیر دو فلاسفروں کا تو پتہ ملا، خواب کی تعبیر کا تو بہانہ تھا، لیکن موجودہ صورت میں ان بزرگوں سے مشورہ کر لینا ضرور مفید ہو گا—

—— : o : ——

۱۰. سرا سین — حکیم العصر علامہ خجندی کا مکان

(مرزا نوشہ داخل ہوتا ہے۔ علامہ خجندی نے اُسے نہیں دیکھا۔ ٹہلتے جاتے ہیں اور دروازہ کی طرف منہ کئے ہوئے زور زور سے باتیں کر رہے ہیں)

فلسفی: بس صاحب بس، اب، آپ تشریف لے جائیے، عجیب مجہول العقل لوگوں سے سابقہ پڑا ہے آپ استقرا کے لوازم و طرق سے ناواقف محض ہیں۔ معقولات کی آپ کو ہوا تک نہیں لگی ہے آئے وہاں سے بحث کرنے کے لئے (میز پر ہاتھ مار کر) اگر میرا بس چلے تو ایسے عوام کالانعام کو اس ارض المعقولات سے خارج کر دوں—

مرزا نوشہ: شکر ہے کہ یہ بزرگ مل تو گئے، ان سے ضرور مشورہ ملے گا—

فلسفی: (اسی طرح اور مرزا نوشہ کو نہ دیکھ کر) میں اسے ثابت کر سکتا ہوں، آپ ہیں کس خیال میں۔ میں دلائل حقہ و براہین قاطعہ سے ثابت کر سکتا ہوں، حکیم الحکما ارسطا طالیس یونانی کی اسناد پیش کر سکتا ہوں کہ آپ جہل بسیط و جہل مرکب میں گرفتار ہیں نہ صرف جاہل، بلکہ اجہل ہیں، مجہول العقل ہیں، ظلوماً جہولا میں سے ہیں، بہ ہمہ اسالیب و ضروب جاہل مطلق ہیں —

مرزا نوشہ: (دوسری طرف منہ پھیر کر) معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے لڑ پڑے ہیں (پاس جا کر) آداب بجا لاتا ہوں —

فلسفی: (اسی طرح سے، اور اب بھی مرزا نوشہ کو نہ دیکھکر) آپ علی الزعم خود، اپنے آپ کو بحث کے قابل گردانتے ہیں، لیکن استدلال کی اولیات سے بھی واقف نہیں ہیں - یا للعجب!

مرزا نوشہ: غصہ کی وجہ سے انہوں نے مجھے بھی نہیں دیکھا (فلسفی سے) حضرت!

فلسفی: (اسی طرح سے) میں تمام فلاسفہ، حکما و متکلمین کے بیان سے آپ کے قضیہ کی تغلیط کر سکتا ہوں —

مرزا نوشہ: (الگ) معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ برہم ہیں - (فلسفی سے) مولانا!

فلسفی: (اسی طرح غصہ میں) خود غلط، املا غلط، انشاء غلط،

مرزا نوشہ: (آگے بڑھ کر) تسلیم عرض کرتا ہوں حضور

فلسفی: (چونک کر) ارشاد!

مرزا نوشہ: جناب کی اجازت ہو تو............

فلسفی: (مرزا کی طرف سے منہ پھیر کر) آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ آپ کن قیاسات منطقی کے مرتکب ہوے ہیں - آپ قیاس عاطفہ منفصلہ، و مترا کبہ و منوی الرکن و عامتہ الورود میں گرفتار ہیں.............

مرزا نوشہ: جناب مولوی صاحب!

فلسفی: (اسی طرح) آپ کا کبریٰ جاہلانہ ہے، آپ کا صغریٰ ابلہانہ ہے، اور نتیجہ اپنی حماقت آمیزی میں مقیدالمثال ہے—

مرزا نوشہ: حضرت خدا کے واسطے.............

فلسفی: میں داعی اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں، لیکن آپ کے قضیہ کو ہرگز ابدالاباد تک تسلیم نہیں کر سکتا (دوات اٹھا کر) جب تک اس مدادالاسود کا ایک قطرہ بھی باقی رہے گا، میں براہین قطعی سے آپ کی تردید کروں گا—

مرزا نوشہ: حضرت قبلہ —

فلسفی: آپ ہیں کس مغالطہ میں - میں بالعقل و النقل

بالمجادله و المباهاه اپنے قضیه پر مستقل
رهوں گا - السعی منی والاتمام من الله —

مرزا نوشه: (زبردستی سامنے آکر) یا ابوالارسطا طالیس
کیا یه بنده کمترین اس برهمی مزاج کی وجه
دریافت کر سکتا هے —

فلسفی: (غصه سے مرزا کو دیکھه کر) میرے پاس اس
کی معقول ترین وجوهات هیں -

مرزا نوشه: کچھه تو ارشاد هو —

فلسفی: کیا عرض کیا جائے - مرزا صاحب - بیان کرنے
سے جگر شق هوتا هے - اصل یه هے که آج کل یه
دنیا مصدر انتشار و محل فساد هوگئی هے -
نظام کائنات درهم برهم هونے کو هے - عوام
کالانعام کی دریده دهنی اور جسارت حد اعتدال
سے متجاوز هوگئی هے - سمجھه میں نهیں آتا که
شہر کے ارباب حل و عقد ایسی باتوں کے وقوع
و صدور کی اجازت دینے سے پہلے غریق بحر
انفعال و خجالت کیوں نهیں هوجاتے —

مرزا نوشه: جناب کچھه ارشاد تو فرمائیں - آخر وه بات کیا هے -

فلسفی: بات، اجی حضرت سانحه هے سانحه، واقعه
فاجعه هے - لوگ علانیه "توپی کی صورت"
کہتے پھرتے هیں - مجھے استعجاب هے که منتقم
حقیقی ان سے بدله کیوں نهیں لیتا - کہیں توپی
کی بھی صورت هوتی هے —

مرزا نوشہ: (تعجب سے فلسفی کو دیکھ کر) کیوں جناب، اس جھاہ میں کیا خرابی ہے—

فلسفی: (مرزا نوشہ کو گھور کر) مرزا صاحب۔ عاصی کا دعویٰ ہے کہ ہم کو ٹوپی کے لئے "شکل" کا لفظ استعمال کرنا چاھئیے نہ کہ صورت کا۔ صورت اور شکل میں یہ فرق ہے کہ صورت کا لفظ ذوی الحیات کے اجسام کے لئے اور شکل کا لفظ غیر ذی روح اشیاء کی ھیئت خارجی کے لئے استعمال ھوتا ہے اور چونکہ ٹوپی جوھر حیات سے معریٰ ہے لہذا واجب آیا کہ ھم ٹوپی کی شکل کہیں نہ کہ ٹوپی کی صورت۔ (پھر دروازہ کی طرف پھر کر) اے جاھل مطلق شخص! یاد رکھ کہ تجھے یہ لفظ استعمال کرنا چاھئیے تھا۔ یہ لفظ۔ یہ خود ارسطاطالیس کے الفاظ ھیں۔ ارسطاطالیس کے۔ تو اگر چاہے تو میں اس کی تصنیف کبیر "المقالات فی الصفات الاشیاء" میں بعینہ یہی الفاظ بتلا سکتا ھوں—

مرزا نوشہ: (الگ ھٹ کر) میں تو سمجھا تھا کہ دنیا پر کوئی آفت ناگہانی آگئی لیکن اب معلوم ھوا کہ صرف صورت اور شکل کی بحث ہے، لاحول ولا قوۃ (فلسفی سے) حضور اب اس قضیہ نا مرضیہ کو اپنے ذھن مبارک سے نکال ڈالیں........

فلسفی: مرزا صاحب اس وقت میں فرط غضب سے لرزہ بر اندام ہو رہا ہوں۔ میں خود نہیں جانتا کہ میں اس وقت کس دنیا میں ہوں۔ اور کیا کر رہا ہوں—

مرزا نوشہ: اگر حضور صورت اور ٹوپی دونوں سے تھوڑی دیر کے لئے دست بردار ہو جائیں تو کچھ عرض کروں—

فلسفی: (دروازہ کو دیکھتے ہوئے) گستاخ۔ بے ادب۔

مرزا نوشہ: حضور آپ جانے دیں۔ میں یہ کہنے کے لئے ....

فلسفی: (اسی طرح) جاہل۔ اجہل۔

مرزا نوشہ: للہ مولوی صاحب میری طرف.......

فلسفی: مردود۔ ایسے قضیہ مہملہ پر مصر ہوتا ہے—

مرزا نوشہ: اجی کوئی جاہل تھا۔ آپ جانے دیجئے—

فلسفی: خود ارسطا طالیس اس کی تکذیب کر چکا ہے—

مرزا نوشہ: بالکل بجا ارشاد ہوا۔ میں اس لئے حاضر ہوا تھا......

فلسفی: اور پھر اپنی غلطی کے لئے اتنا طومار طویل الذیل—

مرزا نوشہ: جناب کا خیال بالکل صحیح ہے۔(اس دروازے کے پاس جاکر جس کی طرف دیکھ کر فلسفی بگڑ رہا تھا)—

تم بے شک بیوقوف ہو اور جاہل ہو اور اتنے گستاخ کہ ایک پڑھے لکھے حکیم سے بحث کرتے ہو—

(فلسفی کے پاس جاکر) حضور اب یہ معاملہ ختم ہو گیا اور اب ذرا میری عرض سن لیجئے - میں کہاں پریشانی کے عالم میں جناب سے مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا - میں چاہتا ہوں کہ انصرام امور خانہ داری کے لئے ایک خاتون کے ساتھ نکاح کروں ، یہ خاتون ماشاءاللہ حسین ، اور صحیح الجثہ واقع ہوئی ہیں ، میں اُن پر مائل بھی ہوں اور وہ بھی اس رشتہ سے خوش ہیں - ان کے والد بزرگوار بھی اس تجویز سے متفق ہیں - لیکن ... خاکسار کو ... کسی قدر جگ ہنسائی کا خوف ہے ، آپ تو واقف ہیں ایسی عورتوں کے شوہروں پر ہنستے سب ہیں ، لیکن کوئی ان کی حالت پر رحم نہیں کرتا - حضور خدا کے فضل سے حکیم ہیں ، دانا ہیں ، اس لئے جناب کے مشورہ کی ضرورت ہے ،

فلسفی: (دروازے کی طرف گھور کر) میں خلا کے امکان کو چاہے مان لوں ، چاہے یہ بھی تسلیم کرلوں کہ میں خود نامشخص ہوں ، لیکن حاشا وکلا کہ میں ٹوپی کے لئے صورت کے لفظ کو ہرگز ہرگز روا نہیں رکھ سکتا —

مرزا نوشہ: الگ ہٹ کر) اس شخص سے خدا سمجھے - (فلسفی سے) مولانا - خدا کے لئے کسی غریب کی بات تو سن لیا کیجئے - میں ایک گھنٹہ سے جناب کو متوجہ کررہا ہوں ، لیکن آپ ہیں کہ جواب ہی نہیں دیتے —

فلسفی: معاف کیجئے گا ، مرزا صاحب ، لیکن میرا اس

وقت کا غیظ و غضب کچھ بے محل نہیں—

مرزا نوشہ: خیر، اب اس غصہ کو دور فرمائیے اور ﷲ تکلیف کر کے میری طرف متوجہ ہو جائیے—

فلسفی: بطیب خاطر، میں ہمہ تن گوش ہوں، تصدیعہ فرمائیے

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں۔ مرزا فلسفی کے سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھا ہے)

مرزا نوشہ: میں جناب سے ایک خاص مسئلہ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا—

فلسفی: تو جناب کس زبان سے کام لیں گے—

مرزا نوشہ: زبان؟

فلسفی: جی ہاں—

مرزا نوشہ: قبلہ میں اسی زبان سے گفتگو کروں گا جو میرے منہ میں ہے۔ کسی پڑوسی کی زبان تو میں مستعار لینے سے رہا—

فلسفی: میرا امر مستفسرہ یہ تھا کہ السنہ قدیمہ و جدیدہ میں سے آپ اظہار خیال کے لئے کس کو منتخب کریں گے—

مرزا نوشہ: اچھا۔ میں اب سمجھا—

فلسفی: کیا جناب زبان عربی میں مکالمت کریں گے—

مرزا نوشہ: جی نہیں—

فلسفی: عبرانی زبان میں—

مرزا نوشہ: نہیں صاحب—

فلسفی: سریانی میں–

مرزا نوشہ: توبہ کیجیے حضرت، میں سریانی کیا جانوں–

فلسفی: کلدانی، ترکی، سامی، چینی، الھانی، انگریزی فارسی، آخر ان میں سے کوئی زبان تو استعمال فرمائیے گا—

مرزا نوشہ: (جز بز ھو کر) نہیں، صاحب، نہیں، نہیں، نہیں، خاکسار صرف اُردو زبان میں گفتگو کرے گا–

فلسفی: (نفرت سے مرزا کو دیکھ کر) اُردو زبان میں!

مرزا نوشہ: جی ھاں، عرض تو کر رھا ھوں–

فلسفی: تو از راہ عطوفت یہیں سے اُٹھ کر یسار کی طرف تکلیف فرمائیے - عاصی کا دایاں کان صرف السنہ غیر بولنے والے حضرات فضلا و علماء کی نغز گفتاری کے لئے مخصوص ھے آپ ایسے مادری زبان بولنے والے جہلا کے لئے خاکسار کا یہ کان (بائیں کان کی طرف اشارہ کر کے) مخصوص ھے، (مرزا کو داھنی طرف سے اُٹھا کر بائیں طرف بٹھا دیتا ھے)

مرزا نوشہ: حضرت مولانا! بندے کا ارادہ ایک نوجوان حسینہ کے ساتھ شادی کرنے کا ھے، مجھے اُن سے بہت محبت ھے اور ان کے والد بزرگوار بھی اس رشتہ سے راضی ھیں، لیکن مجھے ایک امر کا خدشہ ھے اور وہ یہ کہ.........

فلسفی: (مرزا کی طرف متوجہ نہیں ھے) نطق ترجمانی

و ترسیل خیالات کے لئے ودیعت کیا گیا ہے، جس طرح تصورات اشیاء کے نمایندے ہوتے ہیں، اسی طرح الفاظ تصورات کی ترجمانی کرتے ہیں (مرزا غصہ سے فلسفی کے منہ پر ہاتھہ رکھہ دیتا ہے۔ ہاتھہ ہٹاتے ہی فلسفی پھر وہی سلسلہ شروع کر دیتا ہے، یہ کئی مرتبہ ہوتا ہے) لیکن ان نمایندوں اور دوسرے نمایندوں میں تباین ہے، بدیں وجہ کہ وہ نمایندے مشخص ہوتے ہیں اپنے اپنے اصل سے۔ درآنحالیکہ شق ثانی اپنے اصل پر بالذات حاوی ہے، وہ بالاصل تصور ہے جس کی توضیح علامت خارجی سے ہوتی ہے، یہ مبرھن ہے من یحسن الفکر، یحسن القول، اندریں خصوص جناب اس بندۂ عاصی پر اپنے تصورات عالیہ کا اظہار علامات سریع الفہم سے فرمائیں۔

(مرزا فلسفی کو دروازے کے اندر دھکا دے کر باہر سے دروازہ بند کر لیتا ہے)

فلسفی: (اندر سے) اللسان ترجمان القلب، (کھڑکی کے اوپر چڑھ کر اور گردن باہر نکال کر کہتا ہے) زبان ہی ایک ایسا آئینہ ہے جو ہماری انفرادیت کے حقایق کو منعکس کرتا ہے، پس چونکہ تم صفت استدلال سے متصف اور حیوان ناطق واقع ہوئے ہو، فلہذا کلمہ کا استعمال

کر کے کیوں اپنے منشاء مافی الضمیر کو ظاہر نہیں کرتے —

مرزا نوشہ: میں بھی تو کر رہا تھا لیکن آپ میری سنتے ہی نہیں —

فلسفی: نہیں اب میں مخاطب ہوں، آپ فرمائیں -

مرزا نوشہ: مولانا بات یہ ہے کہ ————

فلسفی: لیکن طوالت گفتار سے احتراز واجب ہے —

مرزا نوشہ: ایسا ہی ہوگا —

فلسفی: خواہ مخواہ اطناب کلام سے کام نہ لیا جائے -

مرزا نوشہ: خدا کے لئے مولانا..........

فلسفی: اختصار کلام سے کام لے کر اپنی مکالمت کو "البحر فی الکوزہ" کا مصداق بنائیے —

مرزا نوشہ: میں عرض تو کر چکا ہوں........

فلسفی: بے محل تشریح و توضیح سخن، الفاظ و استعارات، و تمثیلات کی تکلیف دہ ژولیدگی سے پرہیز کرنا چاہئے —

(مرزا عاجز ہو کر فلسفی کو مارنے کے لئے پتھر اُٹھاتا ہے —

فلسفی: یہ کیا حرکت مذمومہ ہے ، بجائے اظہار خیالات کے تم مغلوب الغضب کیوں ہوئے جاتے ہو، (دروازہ کی طرف اشارہ کرکے) بس صاحب آپ بھی سیدھی طرح تشریف لے جائیے - آپ تو اس نامعقول سے بھی زیادہ دریدہ دہن

و بد اکام ھیں، جس نے ٹوپی کے لئے صورت کا لفظ استعمال کیا تھا (نیچے آجاتا ہے) میں ہر وقت، ھمیشہ، اور ھر مقام پر دلائل ساطعہ و براھین قاطعہ سے، برھانات لمی و اِنی سے تم پر یہ امر ثابت کر سکتا ھوں کہ تم حیوان مطلق ھو، اور ھمیشہ حیوان مطلق رھو گے اور میں، علامہ خجندی ھوں، اور ابدالاباد تک یہی رھوں گا۔انشاءاللہ تعالیٰ ھوالمستعان۔

مرزا نوشہ: (غصہ سے) کیا بکی شخص ہے —

فاسفی: میں تم پر ثابت کر دوں گا کہ میں عالم اور ادیب ھوں —

مرزا نوشہ: (طنز سے) ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ھوا —

فاسفی: میں صاحب فضل و صاحب ذوق ھوں (دروازہ کی طرف جاتا ہے) علوم طبیعی و اخلاقی و سیاسی میں کامل دستگاہ رکھتا ھوں۔(واپس آتا ہے) بہ ھر اسلوب وبہ ھر نہج، مولانا، بالفضل والعلم رلادب اولانا وافضل ھوں (جاتا ہے) ھر علم میں بالتفضیل دستگاہ تام رکھتا ھوں۔(آتا ہے) اساطیر اولیہ، صنمیات، تاریخ صرف و نحو، بیان، معانی، کلام۔(جاتا ہے) ریاضی، حساب، مناظریات، طبیعات، مابعدالطبیعات، (آتا ہے) عالمیات، ھندسہ، تعمیرات، فنون عقلیہ (جاتا ہے) طب، فلکیات

نجوم - علم قیافہ، رمل —

(فلسفی چلا جاتا ہے اور مرزا اکیلا رہ جاتا ہے)

خدا ان عالموں سے سمجھے جو کسی کی بات سنتے ہی نہیں - یہ جو میں سنا کرتا تھا کہ ان بزرگوں کے معلم اول حضرت ارسطا طالیس محض بکی تھے یہ واقعی صحیح ثابت ہوا - خیر، اب دوسرے حضرت کی زیارت کرنی چاہئے - شاید وہ ان مولانا سے زیادہ سنجیدہ اور معقول ہوں، اب وہیں جاتا ہوں —

(جاتا ہے)

———:O:———

تیسرا سین - حکیم چاپی دوسرے فلاسفر کا مکان -

(مرزا داخل ہوتا ہے، حکیم صاحب مطالعہ میں مصروف ہیں)

چاپی: (مرزا کو آتا دیکھ کر اس سے مخاطب ہوتے ہیں) آئیے مرزا صاحب، کہئے کیسے آنا ہوا -

مرزا نوشہ: مولانا مجھے ایک خاص معاملہ میں آپ سے مشورہ کی ضرورت ہے - اسی لئے حاضر ہوا ہوں -

(الگ) یہ تو مرد معقول نظر آتا ہے - دوسروں کی سنتا تو ہے)

چلپی: (متانت سے) آپ شوق سے اپنے منشاء کا اظہار کیجئے، لیکن براہ کرم اس طرز گفتگو کو ذرا بدل دیجئے تو اچھا ہے - ہمارے فلسفہ میں لکھا ہوا ہے کہ کبھی کوئی قضیہ ایجابی اور قطعی بنا کر پیش نہ کرنا چاہئے بلکہ ہمیشہ احتمالات سے بحث کی جائے اور قطعی حکم سے اجتناب کیا جائے - پس آپ کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ میں حاضر ہوا ہوں، بلکہ یوں فرمائیے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں حاضر ہوا ہوں —

مرزا نوشہ: معلوم ہوتا ہے؟

چلپی: جی ہاں!

مرزا نوشہ: یا مظہرالعجائب! حضرت معلوم تو آپ سے آپ ہوتا ہے - اس لئے کہ یہ واقعہ ہے —

چلپی: یہ استنتاج صحیح نہیں ہے - ممکن ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہو، لیکن واقعہ نہو —

مرزا نوشہ: قبلہ - یہ آپ کیا فرما رہے ہیں - کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میں اس وقت جناب کے روبرو حاضر ہوں —

چلپی: یہ امر متنازعہ فیہ ہے، اور ہم کو ہر قضیہ کو مشکوک سمجھنا چاہئے —

مرزا نوشہ: (بگڑ کر) کیا فرمایا؟ کیوں صاحب کیا میں اس وقت یہاں موجود نہیں ہوں، اور کیا آپ مجھ سے مخاطب نہیں ہو رہے ہیں —

چلپی: (اسی متانت کے ساتھ) بظاہر آثار آپ میرے سامنے ہیں، اور بظاہر آثار میں آپ سے مخاطب ہوں، لیکن ایسا ہونا قطعی نہیں ہے۔

مرزا نوشہ: عاجز ہو کر) لاحول ولا قوۃ، مولانا۔ آپ ضرور مذاق فرما رہے ہیں، میں یہاں کھڑا ہوا ہوں آپ وہاں تشریف رکھتے ہیں، یہ تو صاف واقعہ ہے۔ اس میں بظاہر آثار کا دم چھلا کہاں سے آگیا (ہاتھ جوڑ کر) للہ ان موشگافیوں اور نکتہ آفرینیوں کو ذرا دیر کے لئے چھوڑ دیجئے اور میرا معاملہ سماعت فرمالیجئے۔ میں آپ سے یہ عرض کرنے حاضر ہوا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی شادی کر لوں——

چلپی: بندہ اس سے لاعلم محض ہے——

مرزا نوشہ: لیکن میں جو عرض کرتا ہوں!

چلپی: ممکن ہے کہ نہی ہو——

مرزا نوشہ: میں جس دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ نوجوان اور حسین ہے——

چلپی: ایسا ہونا نا ممکن نہیں ہے——

مرزا نوشہ: اب فرمائیے کہ میرا اس کے ساتھ شادی کرنا اچھا ہوگا یا برا——

چلپی: انہی دو صورتوں میں سے ایک——

مرزا نوشہ: (الگ) اللہ رحم کرے، یہ بزرگ تو دوسری ہی راگنی سنا رہے ہیں (فلسفی سے) مولانا۔

میں آپ سے یہ دریافت کر رہا ہوں کہ دوشیزہ
مذکورہ سے نکاح کرنا اچھا ہوگا یا برا—

چلپی: یہ اتفاقات پر منحصر ہے—

مرزا نوشہ: کیا برا ہوگا—

چلپی: جیسی صورت ہو—

مرزا نوشہ: للہ ٹھیک ٹھیک جواب تو دیدیا کیجیے—

چلپی: بندے کی نیت بھی یہی ہے—

مرزا نوشہ: مجھے یہ لڑکی بہت پسند ہے—

چلپی: ہاں یہ ممکن ہے—

مرزا نوشہ: اس کا باپ بھی راضی ہے—

چلپی: اس کے راضی ہونے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔

مرزا نوشہ: لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں شادی کرنے کے بعد
مجھے دھوکہ نہ ہو—

چلپی: یہ چیز بھی ممتنع نہیں ہے

مرزا نوشہ: تو پھر جناب کا کیا خیال ہے—

چلپی: (تھوڑی دیر سوچ کر) اس میں کوئی چیز
نا ممکن تو نہیں معلوم ہوتی—

مرزا نوشہ: اچھا اگر خود آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔

چلپی: بندہ کچھ نہیں جانتا—

مرزا نوشہ: آپ مجھے کیا کرنے کی صلاح دیتے ہیں—

چلپی: جو آپ کی مرضی ہو—

مرزا نوشہ: واللہ! میں پاگل ہوا جاتا ہوں۔۔

چلپی: تو بندہ اس معاملہ ہی سے اد بر داشتہ ہے

هوا جاتا ہے—

مرزا نوشہ: زور سے) خدا اِن عقلی اُدھیڑ بن میں پڑنے والوں کو غارت کرے—

چلپی: ایسا ہونا بھی ممکنات سے ہے—

مرزا نوشہ: (الگ) رہ تو جا بدمعاش، دیکھ تو تجھے کیسا ٹھیک بناتا ہوں۔ تمہاری یہ راگنی نہ بدلوا دوں تو نام بدل ڈالوں۔ چلے ہیں وہاں سے فلسفی بن کے، پاڈل کہیں کا چلپی کو مارتا ہے)

چلپی: ہائیں۔ ہائیں۔ ارے۔ ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔

مرزا نوشہ: یہ تمہاری ہرزہ سرائی کی سزا ہے (سانس لے کر) افوہ، اب میرے دل کی بھڑاس نکلی۔

چلپی: (نہایت غصہ سے) کیوں جی، یہ کیا بے تمیزی تھی۔ تم نے اس طرح سے میری اہانت کی، تم اور مجھ جیسے حکیم پر ہاتھ اُٹھاؤ!

مرزا نوشہ: (جھک کر تعظیم بجا لاکر) مولانا، اس طرز گفتگو کو بدل دیجے تو اچھا ہے، ہر قضیہ کو مشکوک سمجھنا چاہئیے۔ آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ "تم نے مجھ پر ہاتھ اُٹھایا" آپ کو یہ کہنا چاہئیے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے مجھے مارا"—

چلپی: بیہودہ، بے ادب انسان، میں اس زد و کوب کی شکایت منصف صاحب تک لے جاوں گا—

مرزا نوشہ: (کمال متانت سے) میں اس معاملہ

دست بردار ہوا جاتا ہوں۔۔

چلپی: میرے جسم پر ضرب کے نشانات موجود ہیں—

مرزا نوشہ: ایسا ہونا ممکن ہے—

چلپی: یہ تو تم خود جانتے ہو کہ یہ تمہاری ہی حرکت ہے—

مرزا نوشہ: یہ بھی ناممکن نہیں ہے—

چلپی (غصہ سے) میں تمہارے نام وارنٹ جاری کراوں گا۔ وارنٹ—

مرزا نوشہ: بندہ اس سے لاعلم محض ہے—

چلپی: اور تم کو سزا دلواوں گا

مرزا نوشہ: یہ بھی ممتنع نہیں ہے—

چلپی: دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں— (چلا جاتا ہے) مرزا بھی چلا جاتا ہے—

———: o :——— —

چوتھا سین— راستہ

مرزا نوشہ: (اکیلا۔رومال سے پسینہ صاف کرکے) اب کیا کیا جائے۔اس مردود شخص سے تو ایک حرف بھی مشورہ کا نہ مل سکا اور بندہ جیسا آیا تھا ویسا ہی جاتا ہے'شادی کا انجام اتنا مشتبہ ہے کہ سمجھہ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔مجھہ سے

زیادہ پریشان کبھی کوئی بھلا آدمی کاہے کو ہوا ہوگا—

(راستہ کی طرف دیکھ کر)۔ آخاہ جوتشی جی پدھار رہے ہیں، شاید ان سے قسمت کا حال معلوم ہو—

جوتشی جی: (فال کھولیں، رمل نکالیں)

مرزا نوشہ: (آگے بڑھ کر) پالاگوں مہاراج! ذرا ہمارے کرم کا لیکھا بھی بتلا دیجے—

جوتشی جی: دھن ہو مہاراج، جے ہو گی، (زمین پر پوتھی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں) لاؤ مہاراج سیدھا ہستھ پسارو۔ پدھی پہلے دیوتاؤں کی پرشاد کے روپیہ دلاؤ—

مرزا نوشہ: (زمین پر بیٹھ کر) لو مہاراج یہ روپیہ لو اور میرا کرم بانچ دو،

جوتشی جی: (مرزا کے دائیں ہاتھ پر ہاتھ پھیر کر) نم منم، نم منم سواہا، مہاراج تمہارا نچھتر اترا کھاد ہے۔ بیا گھات جوگ گنتالیس گھڑی تیرہ پل پر ہے چندر مان کنیا راس میں براج رہے ہیں۔ ۱۱ ویں کنڈلی میں برھسپت اور کیت کا میل ہو رہا ہے، لگن کے لئے یہ گھڑی سبھ لکھتا ہے۔ لو سنو مہاراج، تمہارا بواہ جس کنیا سے ہوگا وہ بڑی سندر ہو گی، اس کی سیوا کے لئے نگری کے انوپ مانش تمہاری حویلی پر آئیں گے، اسی کے کارن سنسار میں

تمہارا مان ہوگا—

مرزا نوشہ: جوتشی جی، یہ سب کچھہ صحیح، لیکن تم مجھے اتنا بتا دو کہ یہ کنیا ست ونتی ہوگی یا نہیں۔ مجھے دھوکا تو نہ ہوگا—

پنڈت: (پوتھی لپیٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں) دھوکا۔ کنیا ستونتی ہوگی یا نہیں! رام رام کرو مہاراج رام رام کرو، (چلا جاتا ہے)

مرزا نوشہ (اکیلا) خدا اس جوتشی سے سمجھے، یہ بھی مجھے جیسے کا ویسا چھوڑ گیا (غصہ سے) کچھہ نہیں صاحب، مجھے اس شادی کا انجام ضرور معلوم ہونا چاہئیے، اب میں کیا کروں، خوب یاد آیا پیر نبی بخش جی عامل کے پاس جاتا ہوں ان کے عمل کا بڑا چرچا ہے۔ان سے پوری حقیقت معلوم ہوگی۔(اتنے میں شکیلہ کا نوکر خط لئے ہوے گاتا ہوا آتا ہے) اچھا اب شاید حقوق طلبی کا دوسرا پروانہ آیا ہے (نوکر سے) کیا ہے جی؟ چونک کر اور خط چھپانے کی کوشش کر کے)

لڑکا: جی کچھہ نہیں۔ چھوٹی بیوی کا خط لیکر مرزا فہیم کے پاس جا رہا ہوں—

مرزا نوشہ: مرزا فہیم کے پاس! میں یہ خط ضرور پڑھوں گا، (لڑکے سے) لا یہ مجھے دیدے میں مرزا فہیم کو دے دوں گا، تو کہاں جاے گا۔ یہ لے

چونی ، مٹھائی کھا لینا —

(لڑکا سلام کرکے رخصت ہوتا ہے۔ مرزا خط پڑھتے ہیں)

" فہیم صاحب ، تسلیم ، آپ کا خط ملا۔ آپ بھی کتنے جلد متاثر ہو جاتے ہیں ، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مرزا نوشہ سے شادی کرکے میں بدل جاؤں گی ، یا آپ کا خیال میرے دل سے نکل جائے گا آپ اتنا نہیں سمجھتے کہ اس بوڑھے کی عمر اب کتنے دن کی اور ہے ، چراغ سحری ہو رہا ہے ، اس کے مرنے کے بعد کوئی کانٹا نہ رہے گا ، سر دست روپیہ حاصل کرنے کی تدبیر ضروری ہے ، امید ہے کہ آپ اپنے دل کو سمجھا لیں گے ، خدا حافظ "

مرزا خط پڑھ کر غصہ سے پھاڑ ڈالتا ہے " حد ہوگئی سر سے پانی اونچا ہوگیا اب تو مجھے ان نیک بخت سے پیچھا چھڑانا ہی پڑا۔ لاحول ولا قوۃ ، تھوڑا روپیہ خواہ مخواہ خرچ ہوگیا ، لیکن اگر یہ نسبت ٹوٹ جائے تو میں روپیہ سے بھی صبر کر لوں اور سمجھوں کہ بھر پایا۔ میں مرزا عسکری کے پاس جا کر تصفیہ ہی کئے لیتا ہوں —

(جاتا ہے)

———:O:———

پانچواں سین- مرزا عسکری کا مکان- عسکری بیٹھا ہوا ہے، حقہ پی رہا ہے

(مرزا آتا ہے) آخاہ، میاں نوشہ- آؤ بھائی کہو کیسے آئے-

مرزا: آداب عرض کرتا ہوں—

عسکری: جیتے رہو، کہو کچھ کہنا ہے—

مرزا: (تامل سے) قبلہ- کیا عرض کروں، بات یہ ہے کہ بندے نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے مجھے اپنی غلامی میں لینا منظور بھی فرما لیا، لیکن اب مجھے خیال آرہا ہے کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں اور آپ کی صاحبزادی کے لئے موزوں نہیں ہوں—

عسکری: کیا باتیں کرتے ہو، میاں بچی تو تم سے خوش ہے، اسے تمہاری عمر کا کوئی خیال بھی نہیں ہے، انشااللہ، اچھی طرح بسر کر لے جائے گی

مرزا: بجا ارشاد ہوا، لیکن قبلہ، خاکسار کا مزاج بہت وہمی واقع ہوا ہے- بعض اوقات جنون کے دورے بھی اُٹھتے ہیں، وہ غریب اس کی تاب کیوں کر لائے گی—

عسکری: نہیں بھائی، میری لڑکی ماشااللہ بہت سنجیدہ و فہمیدہ ہے، وہ ضرور نبھا لے جائے گی

مرزا: جناب والا، بندہ کچھ عوارض جسمانی میں بھی مبتلا ہے—

عسکری: خیر کیا ہوا، صحت بیماری مقدر کی بات ہے۔ نیک بیویاں اپنے شوہروں کی بیماری کی وجہ سے اُن سے نفرت تو نہیں کرتیں—

مرزا: پھر تو صاف صاف عرض کرنا پڑے گا، میرا مشورہ جناب کو یہ ہے کہ انہیں میرے عقد میں نہ دیں—

عسکری: (غصہ سے) میاں مجھ سے مذاق کرتے ہو، میں مرتے مرتے مرجاوں گا، لیکن وعدہ خلافی نہ کروں گا—

مرزا: حضرت میں اس وعدہ سے جناب کو سبکدوش کئے دیتا ہوں—

عسکری: ناممکن ہے، میں تم کو قول دے چکا ہوں اور اگرچہ اس کے رشتہ کے اور لوگ بھی متمنی ہیں، لیکن وہ تمہیں کو دی جائے گی—

مرزا: (الگ) جی ہاں، میں قبول کئے ہی تو لیتا ہوں۔

عسکری: میاں بات یہ ہے کہ مجھے تمہارا خاص طور پر خیال ہے، اور تم مجھے بہت پسند ہو، تمہاری خاطر تو میں اسے شاہزادوں کو بھی نہ دوں، کبھی نہ دوں—

مرزا: خیر یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے، لیکن جناب میں قطعی تصفیہ کرچکا ہوں کہ ہرگز شادی

نہ کروں گا۔

عسکری: کیا کہا، کبھی شادی نہ کروں گا —

مرزا: جی ہاں —

عسکری: آخر وجہ، سبب؟

مرزا: اس لئے کہ میں اپنے آپ کو شادی کے قابل نہیں سمجھتا، اور کیا سبب ہوسکتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے والد مرحوم اور دوسرے بزرگوں کا اتباع کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سب حضرات ہمیشہ اپنی شادیوں کے مخالف رہے۔ اور کبھی اس پر راضی نہ ہوے —

عسکری: اچھا تو سنو، اپنی اپنی پسند ہے، میں تم کو مجبور ہرگز نہیں کرتا۔ تم نے شادی کا وعدہ کرلیا تھا، اس لئے میں نے جملہ سامان مکمل کرلیا تھا، اب تم اس سے کنارہ کش ہو رہے ہو، تو خیر، میں زنانے میں جاکر تصفیہ کئے لیتا ہوں اور تم کو ابھی نتیجہ معلوم ہو جاے گا — (جاتا ہے)

مرزا: (اطمینان کی سانس لے کر) شکر ہے کہ یہ بزرگ امید سے زیادہ سمجھدار نکلے، میں تو سمجھتا تھا کہ پیچھا چھڑانا دشوار ہو جائیگا۔ واللہ! جب میں غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میرا کنارہ کش ہونا اچھا ہی ہوا، اگر میں یہ حرکت کر گذرتا تو عمر بھر پچھتاتا

پوتا: (راستہ کی طرف دیکھ کر) اچھا صاحب زادے صاحب جواب لے کر آرہے ہیں—

(مرزا صمصام بڑے کروفر سے داخل ہوتے ہیں ہاتھ میں ایک چھڑی اور دو تلواریں ہیں بہت نرمی سے کہتے ہیں)

مرزا صاحب: خادم کی تسلیم قبول ہو—

مرزا: (مرزا اُٹھ کر اور سلام کر کے) آداب عرض کرتا ہوں—

صمصام: حضرت قبلہ گاہی سے ابھی ابھی معلوم ہوا کہ جناب نے میری خواہر کے ساتھ نکاح (رک رک کر) کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس سے اب کنارہ کش ہو رہے ہیں—

مرزا: بجا ارشاد ہوا، کیا عرض کروں، کہاں افسوس ہوا لیکن......

صمصام: معذرت کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں ہرج ہی کیا ہوا—

مرزا: جی نہیں۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ مجھے بے انتہا قلق ہوا۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ......

صمصام: نہیں صاحب یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، (دو تلواریں پیش کرتا ہے) مہربانی کرکے ان میں سے ایک تلوار پسند فرما لیجئے—

مرزا: (حیرت سے اس کا منہ دیکھ کر) ایک تلوار پسند کر لوں؟

صمصام: (متانت کے ساتھہ) جی هاں! عنایت هوگی—

مرزا: آخر کیوں؟

صمصام: جی کچھہ نہیں۔ آپ نے وعدے کے باوجود میری خواهر کے ساتھہ عقد کرنے سے انکار کیا۔ اور اب مجھے امید هے کہ جناب اس حقیر هدیہ کو قبول فرمائیں گے—

مرزا: میں سمجھا نہیں؟

صمصام: اگر کوئی اور هوتا، تو خواہ مخواہ شور وغوغا مچاتا، آپ پر غصہ هوتا، لیکن (مونچھوں پر تاؤ دے کر) همارا فرقہ هر کارروائی نہایت اطمینان کے ساتھہ کرتا هے اور میں اس وقت آپ سے بہ ادب یہ درخواست کرنے حاضر هوا هوں کہ اگر جناب کی راے هو تو هم لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کریں—

مرزا: یہ عجیب طرح کا هدیہ هے—

صمصام: جلدی کیجے صاحب۔ (تلوار بڑھا کر) ایک تلوار اٹھا لیجئے—

مرزا: (ڈر کر رکتے هوے) ویسے تو میں آپ کا ادنیٰ خادم هوں لیکن سردست مجبور هوں۔ اس لئے کہ مشق قتل کے قابل کوئی سر میرے پاس نہیں هے—

(الگ) اس کے تیور تو بڑے بیڈھب نظر آتے هیں—

صمصام: جناب من، معاف فرمائیے گا، لیکن جو میں عرض کر چکا ہوں، وہ ہوگا ضرور،

مرزا: (غصہ سے) حضرت ایسی پیشکش پر تین حرف—

صمصام: ہم لوگ ذرا عجلت سے کام لیں تو مناسب ہو، بندے کو مشاعرہ میں جانا ہے—

مرزا: جناب میں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اس وقت مجھے اس کام کی مطلق خواہش نہیں ہے—

صمصام: تو کیا آپ جنگ نہ فرمائیں گے— ؟

مرزا: واللہ نہیں، ہرگز نہیں،

صمصام: کیا آپ تصفیہ کر چکے ہیں—

مرزا: جی ہاں،

صمصام: (مرزا کو بید سے مارتا ہے، پھر بہت ملائمت سے کہتا ہے) تو اب کم از کم جناب کو شکایت کا تو کوئی موقع نہ ہوگا، آپ خود واقف ہیں کہ میں کس قدر باضابطہ کارروائی کر رہا ہوں، آپ نے وعدہ خلافی کی، میں نے آپ سے جنگ کرنی چاہی، آپ نے انکار کیا، میں نے آپ کو زد و کوب کی۔ یہ تمام کارروائی بالکل ضابطہ کے مطابق ہوئی ہے۔ آپ شریف آدمی ہیں اور امید ہے کہ میرے طرز عمل پر آپ کو اعتراض نہ ہوگا—

مرزا: (الگ) (یہ تو بڑا نابکار نکلا)—

صمصام: (پھر تلوار پیش کر کے) آئیے صاحب، شرفا کی

طرح کام کیجئے، ورنہ مجھے مجبوراً گوشمالی کرنی پڑے گی—

مرزا: کیا آپ لڑنے پر تلے ہی ہوئے ہیں—

صمصام: جناب، بندہ کبھی کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ یا تو آپ مجھ سے جنگ فرمائیے یا میری خواہر کے ساتھ نکاح کیجئے—

مرزا: حضرت افسوس ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں ہے—

صمصام: واقعی!

مرزا: واقعی—

صمصام: اچھا تو پھر اجازت ہے نہ (مارتا ہے)

مرزا: ارے ارے یہ کیا ہو رہا ہے—

صمصام: جناب مجھے بے انتہا ملال اس بات کا ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ یہ سلوک کرنا پڑتا ہے لیکن بہ ادب اتنا عرض کرتا ہوں کہ جب تک آپ میری ہمشیرہ کے ساتھ نکاح کا وعدہ نہ فرمالیں۔ میں ہاتھ نہیں روک سکتا۔ (چھڑی اٹھاتا ہے)۔

مرزا: (لجاجت سے) اچھا بھائی معاف کرو۔ میں شادی کروں گا۔ کروں گا—

صمصام: مہربان من۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے حواس برجا ہوئے، اور اب معاملہ صاف ہے۔ میں بہ حلف عرض کرتا ہوں کہ میں دنیا میں

سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں، اور اگر آپ مجھے بدسلوکی پر مجبور کرتے تو مجھے بے انتہا ملال ہوتا۔ تو میں اب قبلہ گاہی کو بلائے لاتا ہوں، اور انہیں تصفیہ کی اطلاع دئیے دیتا ہوں (دروازے کے پاس جاکر کہتا ہے) "ابا جان، مرزا نوشہ اب معقولیت کے ساتھ گفتگو کرنے پر آمادہ ہیں۔ انہوں نے نیت کرلی ہے کہ اب ہر کام بطریق احسن کروں گا۔ اب آپ خواہر کو اُن کے نکاح میں دے سکتے ہیں—

مرزاعسکری: (باہر آکر) میاں! قاضی صاحب موجود ہیں، تم کو صرف قبلت کہنے کی زحمت ہوگی—

خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس بلا سے نجات مل گئی، اب اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے، آؤ۔ اب اس کار خیر سے فراغت کر ڈالیں، اور خدا کا شکر بجالائیں—

ڈراپ سین



اخبار علمیہ

ریڈیو (Radio) کی حیرت انگیز ایجادوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ Broadcasting (اشاعت اصوات) کے لئے خود ہمارے ہندوستان میں کلب قائم ہو چکے ہیں اور شوقین لوگ ان میں جا کر لندن کے مشہور کلاونتوں کے گانے سن سکتے ہیں، لیکن یورپ اور امریکہ میں اس کی نت نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ آوازوں کی طرح تصویریں بھی چشم زدن میں ہزاروں کوس دور بھیجی جا سکتی ہیں، مثلاً اگر امریکہ میں ایک شخص تقریر کر رہا ہو، تو آپ ہندوستان میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے آج ہی اس کی تقریر بھی سن سکتے ہیں اور اسے دیکھ بھی سکتے ہیں! اگر یہ ایجاد عام ہو گئی تو دلچسپی کے موقعوں پر جو جم غفیر ہوتا ہے وہ نہ ہوا کرے گا اور دنیا کے اہم واقعات مثلاً کسی مشہور مقرر کی تصویر، ڈربی کی دوڑ وغیرہ ہر شخص گھر بیٹھے دیکھ سکے گا۔

دور بصری (Television) کے علاوہ ریڈیو (Radio) کی مدد سے دور نویسی بھی ممکن ہو گئی ہے، آپ ادھر

اپنے کمرے میں کسی کاغذ پر دستخط کیجئے، اُدھر چند منٹوں میں دور سے دور مقام پر یہ دستخط پہونچ جائیں گے اور ایک دوسرے آلہ کی مدد سے آپ کا عکس بھی اسی طرح منتقل ہو سکے گا۔ اس ایجاد نے اگر ایک طرف جرائم کی تعداد میں اضافہ کا امکان پیدا کر دیا ہے تو دوسری طرف اسی کی مدد سے مجرموں کی گرفتاری کے نئے نئے طریقے نکل رہے ہیں، چنانچہ اطلاع ملی ہے کہ لندن کے کانسٹبلوں کو دیاسلائی کی ڈبیا کے برابر ایک آلہ دیا گیا ہے، جب کہیں واردات ہو گی تو صدر دفتر سے اس کی اطلاع چشم زدن میں ہر چوکی پر پہونچ جائے گی اور اس آلہ کے ذریعہ ہر چوکی اس واردات کی پوری تفصیل معلوم کر سکے گی اور فوراً مستعد ہو جائے گی —

حال ہی میں برلن میں ایک ایسا ہوائی جہاز بنایا گیا ہے جس کے پر حسب ضرورت کھولے اور تہ کئے جا سکتے ہیں - اس مشین سے معمولی موٹر کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور تھوڑی سی دیر میں حسب ضرورت یہ اُڑنے کے لئے بھی تیار ہو سکتی ہے، یہ "ہوائی موٹر" عنقریب جرمنی کے بازاروں میں بکنا شروع ہو گی —

انسانی قلب کی دھڑکن اس قدر خفیف ہوتی ہے کہ آسانی سے سنی نہیں جا سکتی، خصوصاً مرض یا چیر پھاڑ کی حالت میں قلب کی حرکت کا اندازہ لگانا اور بھی

دشوار ہے - لیکن ابھی حال میں ویسٹ منسٹر (انگلستان) میں لاسلکی (Wireless) آلات کی جو نمائش ہوئی اس میں ایک ایسا آلہ بھی رکھا گیا تھا جس کی مدد سے قلب کی حرکت کی آواز زور کی ہو جاے چنانچہ اب کئی ڈاکٹر ایک کمرے میں بیٹھے ہوے مریض کے دل کی دھڑکن کو آسانی کے ساتھ سن سکتے ہیں توقع کی جاتی ہے کہ اس ایجاد سے چیر پھاڑ کے حادثوں میں کمی ہو جاے گی —

زمانۂ حال کی مختلف خصوصیات اور ان کے نتائج سے بحث کرتے وقت پرانے لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ آج کل آدمی کی عمر کم ہو گئی ہے' اور سائنس کی ایجادات' زندگی کی بڑھی ہوئی جد و جہد' ضروریات زندگی کی گرانی' انسانوں کے ہجوم' اور نئے نئے امراض کے شیوع کو دیکھتے ہوے ان کا یہ قیاس غلط نہیں کہا جا سکتا - لیکن مسٹر ہینسن (L. A. Henson) نے امریکہ کے رسالہ Life and Health (زندگی و صحت) میں جو اعداد شایع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم اس ملک کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں ہے —

ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ میں سنہ ۱۸۰۰ع میں اوسط درازی عمر ۳۳ سال سنہ ۱۸۵۵ میں ۴۰ سال اور سنہ ۱۹۲۰ میں ۵۸ سال تھی گویا کہ سنہ ۱۸۵۵ کے مقابلہ میں اب انسان کی عمر میں ۱۸ سال کا اضافہ ہوا -

اسی سلسلہ میں ناظرین کے لئے یہ معلوم کرنا باعث

دلچسپی ہوگا کہ درازی عمر کے بارے میں امریکہ کا نمبر پانچواں یا چھٹا ہے، نیوزیلینڈ (New zealand) اس معاملے میں سب سے اول ہے، وہاں اوسط عمر ۶۰ سال ہے، آسٹریلیا، ڈنمارک، ناروے، سویڈن، ہالینڈ کا نمبر اس کے بعد آتا ہے، غریب ہندوستان اس معاملے میں سب سے پیچھے ہے یہاں اوسط عمر ساڑھے بائیس سال ہے!

شرح اموات میں بھی یہی فرق نظر آتا ہے، مختلف سالوں میں امریکہ میں اوسط شرح اموات فی ہزار حسب ذیل رہی —

سنہ ۱۹۱۱ع	۱۷
سنہ ۱۹۲۳ع	۱۲٫۳
سنہ ۱۹۲۴ع	۱۱٫۹

حالانکہ ہمارے ملک میں یہی شرح ۳۷ فی ہزار ہے!

موٹروں میں جو برقی مورچے ہوتے ہیں ان میں بجلی کی رو رواں کرنے کے لئے اب تک یا تو کھٹکوں سے کام لیا جاتا تھا یا دستہ سے، لیکن اب ایسے مورچے (Batteries) بنائے گئے ہیں جن میں صرف آواز کی تموجات سے رو جاری ہو سکتی ہے۔ آئندہ موٹر چلانے والے اسے "چالو" (Start) کرنے کی دقتوں سے بچ جائیں گے اور جس طرح جانوروں کو پکار کر چلایا جاتا ہے۔ اسی طرح پچکار کر موٹروں کو بھی چلایا جائے گا—

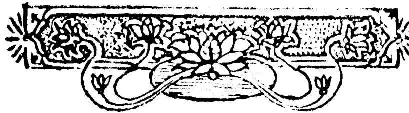
جرمنی اپنی حیرت انگیز کیمیاوی ایجادوں کے لئے ہمیشہ مشہور رہا ہے ' اسی ملک کے کیمیا دانوں نے پہلے مصنوعی طور پر نیل بنا کر ہندوستانی قدرتی نیل کو میدان سے ہٹایا ' اور کارخانوں میں مصنوعی طریقوں سے نائٹروجن (Nitrogen) پیدا کرکے جنوبی امریکہ کی شورہ سازی کی صنعت کو صدمہ پہونچایا ۔ اب اطلاع ملی ہے کہ پروفیسر برگیس (Burgius) اور پروفیسر فشر (Fitscher) متعدد تجربات کے بعد کوئلے سے پٹرولیم نکالنے میں کامیاب ہوگئے ہیں ۔ حکومت جرمنی نے اس تجربہ کی تکمیل کے لئے ۲۶۰۰۰۰۰ روپیہ منظور کئے ہیں ۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ ۶۰ من کوئلے سے تقریباً ۳۰ من تیل نکالا جا سکے گا ۔ یہ تیل معمولی قدرتی پٹرولیم کے مقابلے میں بہت کم دھواں دیتا ہے ' دیکھنا ہے کہ یہ ایجاد کوئلہ کی صنعت پر کیا اثر ڈالتی ہے ؟

اب تک گھڑی کی سوئیوں سے وقت کا اندازہ لگایا جاتا تھا ' لیکن اب ایسی گھڑیاں بنائی گئیں ہیں جن میں سوئیوں کی ضرورت نہیں ہوتی ' اور موٹر کے رفتار پیما (Speedometer) کی طرح خود بخود ہندسے نمودار ہوتے رہتے ہیں ' مثلاً سوا دس بجے گھڑی کی کھڑکی میں حسب ذیل ہندسے آتے ہیں —

10	15

یہ گھڑی بجلی کی قوت سے چلتی ہے، اور چونکہ سوئیوں کے مقابلے میں ہندسے زیادہ آسانی کے ساتھ وقت بتا سکتے ہیں، اس لئے یہ ریلوے اسٹیشنوں کے لئے خاص طور پر موزوں ہے—

زمانۂ جدید میں طباعت اور صحافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تصویریں بہت کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں، اور اس کے فوائد سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن عکس اندازی (Photography) میں اب تک سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ وقت بہت صرف ہوتا تھا، اب ایک ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے جو ایک گھنٹہ میں ۱۰۰۰ اعلیٰ درجہ کے آرٹ فوٹو تیار کر سکتی ہے، اس کی تصویروں کی تیاری کے لئے اندھیرے کی ضرورت نہیں ہوتی، اگر اس کا استعمال عام طور پر ہونے لگے تو ملک میں مصور رسالوں، کتابوں اور اخباروں کی کوئی کمی نہ رہے، اور ہندوستانی طباعت کی ایک بڑی مشکل حل ہو جائے—



اخبار کلیه

جشن یوم کلیه

ھماری گزشتہ دو مہینوں کی زندگی کا سب سے زیادہ دل چسپ اور یادگار واقعہ یہی ھے' گزشتہ آذر میں ھمارے کلیہ نے اپنی زندگی کے دو سال ختم کر لئے' اس جشن کے منانے کی یہی وجہ تھی' سفر کے مرحلوں کی طرح' زندگی کی منزلوں کا بھی کچھہ نہ کچھہ نشان ھونا چاھئے' خواہ یہ زندگی اداروں کی ھو یا افراد کی - اس سے منزل کے جائزے میں سہولت ھوتی ھے' یہ پیچھے دیکھنا' آگے بڑھنے کے لئے ھوتا ھے —

دیوالی کی تعطیلات (۱۱-۱۲-۱۳ آذر سنہ ۳۵ ف) میں یہ تقریب منائی گئی' ایک ھفتہ پہلے انتظامات شروع ھوے- کالج کی آرائش کی گئی' سامنے کے حصے اور پہلووں پر نفیس بیل بوٹے بنائے گئے' دیواریں سجائی گئیں' کاغذ کے پھولوں اور خوشنما بیلوں سے کالج اور اس کا ھال دلہن بن گیا- آرائش و تزئین کا کام جناب محمود علی صاحب صدر مہتمم مدرسہ صنعت و حرفت' جناب قاضی فضل الدین صاحب ڈرائنگ ماسٹر کالج' جناب نظیر محمد خاں صاحب ڈرائنگ ماسٹر مدرسہ تعلیم المعلمین اورنگ آباد اور جناب رنگناتھہ صاحب و شیخ امام صاحب ڈرائنگ ماسٹران مدرسہ وسطانیہ

نے اپنے ذمہ لیا، اس کا تمام سہرا انہی اصحاب کے سر ہے —

جشن سے کچھ روز قبل دور و نزدیک کالج کے خیر خواہوں کے نام دعوتی رقعے تقسیم کئے گئے تھے اور ایک روز پہلے ہمارے یہ معزز مہمان تشریف لائے، حیدرآباد سے جو اصحاب اس میں شریک ہوے وہ حسب ذیل ہیں: —

جناب مولوی حمید احمد صاحب انصاری مسجل جامعہ عثمانیہ

جناب مولوی عظمت اللہ خان صاحب مددگار ناظم تعلیمات

جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

جناب مولوی شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی رکن دارالترجمہ

جناب مولوی عبداللہ العمادی صاحب رکن دارالترجمہ

جناب مولوی محمد عبدالحی صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ

جناب مسٹر نعمت اللہ بیرسٹر ایٹ لا

حیدرآباد کے علاوہ دوسرے مقامات سے بھی اکثر اصحاب تشریف لاے تھے - ان کے اسماے گرامی حسب ذیل ہیں: —

جناب مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع نظام آباد

جناب مولوی ثابت علی صاحب منصف ناندیڑ

جناب مولوی میر ہاشم علی خاں صاحب ناظم
عدالت نانڈیڑ
جناب مسٹر ت - ب - کامت مہتمم تعلیمات پربھنی
ان سب مہمانوں کو جناب صدر نے اپنے یہاں ٹھیرایا -

ان بزرگوں کے علاوہ کچھہ ایسے بھی تھے جو اپنے فرائض منصبی یا دوسری مصروفیتوں کی رجہ سے شرکت تو نہ فرما سکے لیکن جنھوں نے تاروں اور خطوں کے ذریعے سے اس تقریب کے ساتھہ ھمدردی ظاهر کی - ان کے اسماے گرامی یہ ھیں :—

جناب نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدرالمہام
فنانس
جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات
جناب نواب صدر یار جنگ بہادر صدرالصدور
جناب نواب سراج یار جنگ بہادر جج هائی‌کورٹ
جناب نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فنانس
جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد عدالت
و کوتوالی و امور عامہ
جناب مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم سررشتۂ
آثار قدیمہ
جناب مولوی عبدالرحمن خان صاحب صدر کلیہ
جامعہ عثمانیہ
جناب مولوی محمد عنایت‌الله صاحب ناظم
سررشتۂ تالیف و ترجمہ

جناب مولوی رحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر
کلیہ جامعہ عثمانیہ
جناب مولوی محمود احمد خان صاحب پروفیسر
کلیہ جامعہ عثمانیہ
جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب مددگار
ناظم سرشتہ انجمن ہائے اتحادی
جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب مہتمم
تصفیۂ اراضیات

---

۱۱ آذر سنہ ۳۵ ف کو پانچ بجے شام کے وقت اس تقریب کا آغاز ہوا' پہلے کھیل ہوے' ان کے انتظامات کا سہرا حسب دستور پروفیسر محمد ابرھیم صاحب ایم-اے' اراکین گیمس کمیٹی اور کالج کے رضا کاروں کے سر ھے' اسی روز شام کو کالج ہال میں جلسہ ہوا' صدر صاحب کلیہ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا-مولوی غلام طیب صاحب بی-اے-یل-ٹی مددگار نے اپنی بلند پایہ نظم دیس کہانی سنائی اور حاضرین کو محظوظ کیا' حضرت جوش ملیح آبادی نے بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی نظم "آفتاب" سنائی اور جلسہ سے تحسین سنی' اس کے بعد جناب سید ھاشمی صاحب رکن دارلترجمہ نے اپنا پرمغز مضمون پڑھا جو ناظرین صفحات گزشتہ میں دیکھہ چکے ھیں-سکستھہ فارم کے طلبا نے شکسپیر کے مشہور ناٹک مرچنٹ آف وینس (Merchant of Venice) سے عدالت کا سین کھیلا' سب سے

اچھا پارٹ دامودر نے کیا، یہ پورشیا (Portia) بنے تھے، جناب مسجل صاحب جامعہ عثمانیہ نے اس کی قدردانی فرمائی، اور انہیں ایک طلائی تمغا دیا، اس جلسہ میں مقامی عہدہ دار، وکلا اور دیگر معززین بھی بڑی تعداد میں شریک ہوے، اور ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں —

دوسرا دن (۱۲ آذر) صرف کھیلوں کے لئے مخصوص تھا، اس کے مقابلے ہوے اور سات بجے شام تک ہوتے رہے —

تیرھویں آذر ہماری تقریب کی آخری تاریخ تھی اور اس دن سب سے زیادہ سامان تفریح فراہم کیا گیا تھا، پہلے کھیل ہوے، پھر انعامات تقسیم کئے گئے، اس کے بعد جناب صدر کی طرف سے ایک پر تکلف ایٹ ہوم دیا گیا، اور جلسہ برخاست ہوا، ساڑھے آٹھ بجے شب سے پھر اجتماع شروع ہوا، اگرچہ جگہ کا کافی انتظام کر لیا گیا تھا، لیکن حاضرین کی کثرت کی وجہ سے اس کی دقت محسوس ہوئی، اس دن یہ بزم میدان میں شامیانوں کے نیچے جمی، ایک اسٹیج تیار کیا گیا تھا، جناب مولوی یوسف علی صاحب ایچ-سی-ایس زاید صدر منصف کی عنایت اور کوشش سے ایک مقامی کمپنی سے پردے مل گئے ان کے لگانے کے انتظام میں جناب مولوی جمیل احمد صاحب صدر مہتمم تعمیرات اورنگ آباد، جناب مولوی نظام الدین صاحب مہتمم تعمیرات اورنگ آباد، اور جناب عبدالعزیز صاحب اوورسیر نے خاص طور پر مدد کی، ان حضرات کی

امداد کے بغیر یہ کام نا ممکن تھا ' ہمارے ہر دل عزیز مددگار نواب الدین صاحب اس انتظام کے نگراں تھے اور ان کے ماتحت رضا کاروں کی مدد کے بغیر یہ بیل منڈھے نہ چڑھتی

اس جلسہ کا نظام العمل بہت دلچسپ تھا ' طلبا نے نظمیں سنائیں ' اردو ' مرہٹی ' فارسی ' ہندی انگریزی ' عربی ' ان سب زبانوں میں نظم خوانی ہوئی اور حاضرین بہت محظوظ ہوے ' نظموں کا انتخاب موقع کی مناسبت سے کیا گیا تھا ' اور سب نے انہیں پسند کیا ' پھر اس روز کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ ' مولیر (Moliere) کا ڈراما " نکاح بالجبر '' شروع ہوا یہ ڈراما کالج کے اساتذہ نے کیا تھا ' اسے ناظرین گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔یہ ڈراما اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نیا تھا اور بہت مقبول ہوا جناب مولوی قاسم حسین صاحب دوم تعلقدار نے "علامہ خجندی'' کو ایک طلائی تمغہ عنایت فرمایا'' اس ڈرامے کے چرچے آج تک باقی ہیں—

ڈرامے کے بعد حضرت جوش ملیح آبادی نے اپنے مخصوص دلکش انداز میں اپنی وہ نظم سنائی جو ناظرین اس رسالہ میں پائیں گے اور حاضرین کو مسحور کرلیا ' خوب داد دی گئی اور فی الحقیقت یہ نظم اس تعریف و توصیف کی مستحق بھی ہے ۔اخیر میں جناب صدر صاحب کلیہ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور انہیں الوداع کہی ۔ اس کے بعد یہ جلسہ

برخاست ہوا —

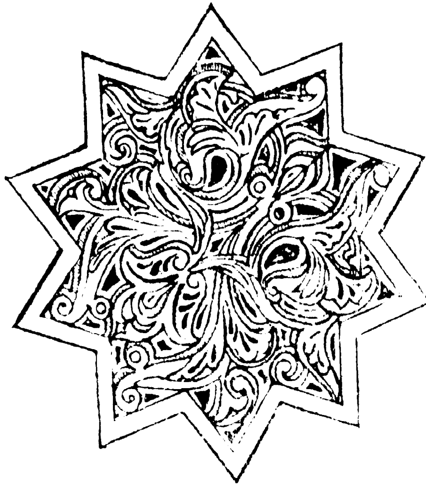
ہمارا یہ جلسہ اس شہر میں اپنی قسم کا پہلا جلسہ تھا ، اور بہت کامیاب رہا - اس کو ختم ہوے دو مہینے ہونے کو آے - لیکن ان پر لطف ایام کی یاد اب تک باقی ہے ، اور آج بھی اس کے تذکرے ہوتے ہیں —

ہمارے کلیہ کے اساتذہ اور طلبا نے اس تقریب کو کامیاب بنانے میں جو حصہ لیا ، وہ محتاج بیان نہیں ہے - ہر شخص نے ، جس سے جو کام بن آیا ، کیا ، دوسری قابل فخر بات یہ ہے کہ " سخنے " اور " قدمے " ہی نہیں بلکہ ان سب نے " درمے " بھی اس کی مدد کی - جناب صدر نے پچاس روپیہ بطور چندہ دیے اور ایٹ ہوم دیا ، اساتذہ کلیہ نے ہنسی خوشی اپنی تنخواہوں کا پانچ فیصدی پیش کیا ، طلبا نے شوق کے ساتھہ چندے دیے - ہمارا یہ جشن فی الحقیقت اس بات کا ایک عملی ثبوت ہے کہ بے غرضانہ کام اور متفقہ سعی کیا کچھہ نہیں کر سکتے !

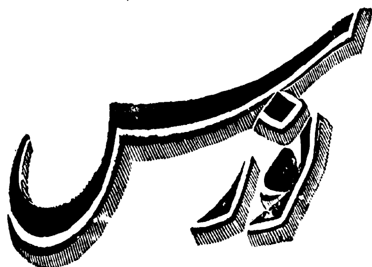
ہماری دعا ہے کہ ہم اور ہمارے بعد آنے والی نسلیں اسی طرح ہر سال اپنے گزشتہ کارناموں کا جائزہ لیا کریں - اور خدا کرے یہ کارنامے ہمیشہ قابل فخر ہوں ، موجودہ تقریب فی الحقیقت ایک مبارک رسم کا

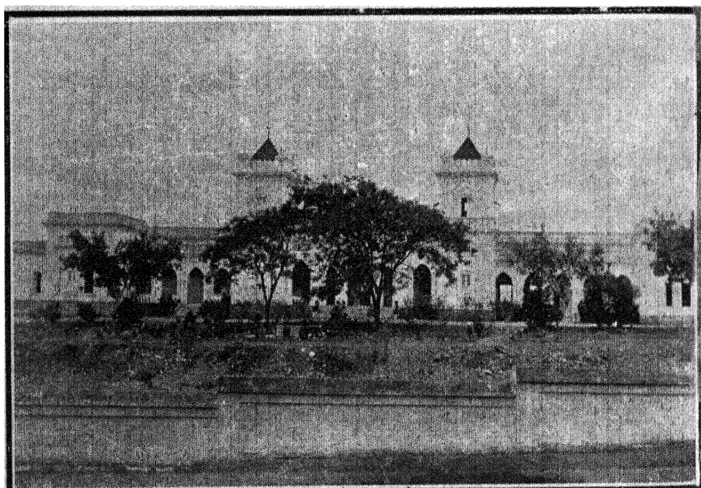
آغاز تھی، ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ہم اپنے معزز مہمانوں کو زیادہ عرصہ تک نہ ٹھیرا سکے اور بات کی بات میں یہ تین دن گزر گئے —

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود



جلد ۱ جلوری سنه ۱۹۲۶ع نمبر ۳





اورنگ آباد کالج کا دوماہی رسالہ

انجمن اردو کے مطبع میں چھپا

فہرستِ مضامین

شذرات

ہندوستان میں بہت عرصہ سے یہ بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ ملک کی مختلف سیاسی اور معاشرتی، مذہبی اور علمی انجمنیں ختم سال کے موقع پر اپنی اپنی سالانہ رسمیں ادا کرتی ہیں اور گیارہ مہینے تک عملی کام کی جو کچھ کمی رہی ہے اس کی تلافی بارھویں مہینے دھوم دھام کی تقریروں سے کیا کرتی ہیں - چنانچہ دسمبر سنہ ۲۵ع کے آخری ہفتہ میں علی گڈھ کی مسلم یونیورسٹی نے بھی اپنی پچاس سالہ جوبلی منائی - اس جشن کا اہتمام بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا تھا، مہینوں پہلے سے اخبارات اور خطوط کے ذریعہ اس کی شہرت ہوئی تھی، مختلف صوبوں میں وفد بھیجے گئے تھے کہ وہ مہمانوں کو فراہم کریں، جشن کو کامیاب بنانے کے لئے اور دلچسپیاں بھی فراہم کی گئی تھیں - ایجوکیشنل کانفرنس، اردو کانفرنس، مسلم لیگ وغیرہ نے بھی اس مرتبہ اپنے اجلاس علی گڈھ میں کئے - جہاں تک رونق اور چہل پہل کا تعلق ہے، علی گڈہ کا پچھلے سال کا آخری ہفتہ اپنی آپ نظیر ہے - ہم اسے برسوں کے جمود کی تلافی سمجھتے ہیں اور اسی میں خوش ہیں —

تقسیم اسناد فضیلت کے موقع پر جو خطبہ پنجاب کے مایۂ ناز بیرسٹر اور مشہور اہل قلم شیخ عبدالقادر صاحب نے پڑھا وہ بہت قابل قدر ہے، موصوف نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو تجاویز پیش فرمائی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان پر ارباب جامعہ غور کی نظر ڈالیں، اور کاربند ہوں یونیورسٹی کو اصلی معنوں میں تعلیمی درسگاہ کیوں کر بنایا جائے، السنۂ مشرقی کو ان میں کیا حصہ دیا جائے، کارپردازان جامعہ کا صحیح مطمح نظر کیا ہو، یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں صرف اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں جشن کی دھوم دھام میں فراموش کر دیا جائے - ان پر توجہ

اور عمل کی ضرورت ہے —

یہ زمانہ جو گزر رہا ہے، ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے لئے عموماً، اور علی گڈہ کی یونیورسٹی کے لئے خصوصاً سخت امتحان کا زمانہ ہے - اس سال مختلف یونیورسٹیوں میں جو خطبات پڑھے گئے ہیں، ان پر غور کی نظر ڈالئے، لارڈ لٹن نے کلکتہ میں، سر چمن لال ستیلواد نے بمبئی میں، سر تیج بہادر سپرو نے لکھنؤ میں، نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے لاہور میں اور خود ہمارے نواب امیر جامعہ نے حیدرآباد میں، زبان، ذریعۂ تعلیم، مقصد تعلیم وغیرہ کے متعلق جو اشارے کئے ہیں انھیں سمجھئے تو آپ کو معلوم ہو جاے گا کہ ہندوستان اپنی درسگاہوں سے کس چیز کی توقع رکھتا ہے - علی گڈہ کو "اُردو نوازی" کے جو موقعے حاصل ہیں رہ شمالی ہندوستان کی کسي اور جامعہ کو میسر نہیں ہیں - جو کچھہ ابتدائی دقتیں تھیں انھیں همارى جامعہ دور کر چکی ہے - وقت ہے کہ اس روشن مثال پر غور کیا جاے - برج اور شاہجہاں آباد کے پڑوس میں انگریزی زبان کی گرم بازاری کب تک رہیگی! غیروں کی ترجمانی سے کہاں تک کام چلے گا!!

جشن جوبلی کے ایام میں جتنی کانفرنسیں ہوئیں، ان میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور اردو کانفرنس اور مسلم اخبارات کے اڈیٹروں کی کانفرنس تعلیمی اور ادبی لحاظ سے قابل ذکر ہیں —

ایجوکیشنل کانفرنس کا خطبۂ صدارت پشاوری محب قوم سر ملک عبدالقیوم خاں صاحب نے پڑھا - اس میں اکثر و بیشتر کام کی باتیں اور عملی تدبیریں بتائی گئی تھیں - اسے عام طور پر پسند کیا گیا - اس کے بعد متعدد قراردادیں پیش ہوئیں - یہ وہی تھیں جو بارہا منظور ہو چکی ہیں مگر بہت کم عمل ہوا ہے - یہ کانفرنس ابھی تک پرانے ڈھرے پر چلی جا رہی ہے اور حالانکہ حالات بدل چکے ہیں اور تعلیم کے مسئلہ نے نئی نئی صورتیں اختیار کرلی ہیں مگر یہ وہی پرانی لکیر پیٹتی چلی جاتی ہے - ایجوکیشنل کانفرنس

اس وقت ایک بے جان اور بیکار جماعت معلوم ہوتی ہے۔ اگر موجودہ حالات کو مد نظر رکھکر اس کی از سر نو تنظیم کی جائے اور تعلیم کے مسئلہ پر غور کر کے ماہر اور تجربہ کار لوگوں کی رائے لی جائے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہی کانفرنس ایک بڑی قوت ہو سکتی ہے۔ اس زمانے میں اسے زندہ کرنے اور باقاعدہ بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ آنریری سکرٹری جو روشن خیال بزرگ ہیں اور علمی کاموں سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، اگر توجہ فرمائیں تو اس کی اصلاح و تنظیم کوئی بڑی بات نہیں اور یہ ان کے زمانۂ معتمدی کی بڑی یادگار ہوگی۔

اردو کانفرنس، جس کا اجلاس اس ہفتۂ جشن میں سب سے اول ہوا، خلاف توقع بہت معمولی رہی۔ جس شان سے اس کی تیاری کی گئی تھی اور اشتہار دئے گئے تھے، اُس شان کی اس کی کارروائی نہ تھی۔ دو دن کی کارروائی دیکھ کر ہمیں کسی قدر مایوسی ہوئی۔ اس کی طرز کارروائی کا بھی وہی ڈھنگ تھا جو سالہا سال سے ایجوکیشنل کانفرنس کا چلا آرہا ہے۔ ہماری رائے میں علمی اور ادبی مسائل کے لئے اس قسم کا ہجوم اور شور و غوغا کچھ زیادہ مناسب نہیں۔ بعض اچھے اچھے رزولیوشن منظور ہوئے مثلاً اردو کو ہندوستان کی عام اور مشترکہ زبان بنانے کی کوشش۔ اردو ٹائپ کی ترویج وغیرہ، لیکن ایسی قرار دادوں کا صرف منظور ہو جانا کافی نہیں جب عملی کارروائی نہ کی جائے۔ اگر یہ کانفرنس اپنی قرار دادوں کو عملی صورت میں نہیں لاسکتی تو کانفرنس کا وجود بیکار ہے۔

مسلم اخبارات کے اڈیٹروں کی کانفرنس اگرچہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی لیکن اس کا قایم ہونا ایک نیک فال ہے۔ اس کانفرنس کے بانی اور عامل زیادہ دانشمند تھے کہ انہوں نے ایک عام اجلاس کے بعد اڈیٹروں کا ایک اجلاس بھی منعقد کیا اور اس میں انہوں نے ایک ذیلی مجلس قائم کی جو اس کانفرنس کے قواعد اور ضوابط تیار کرے گی۔ اردو اخبارات کو رہنمائی کی بہت ضرورت ہے اور اگر اس کانفرنس نے اتفاق اور دلدہی سے اپنے فرائض ادا کئے تو یہ ایک بہت بڑا قومی کام انجام دے گی۔ کانفرنس کے صدر خاں بہادر مولوی

بشیر الدین صاحب کا خطبہ ایک وسیع تجربہ پر مبنی تھا اور اس میں بہت سی مفید اور کام کی باتیں تھیں جن پر کانفرنس کو اپنے آیندہ اجلاسوں میں ضرور غور کرنا چاہئے —

ذورس کے گزشتہ نمبر میں ہم ایک ہندی مستشرق مہارشی گوپال کرشن بھنڈار کر کا ماتم کرچکے ہیں - اب ایک محب ایران ' یورپی مستشرق مسٹر ایڈورڈ براؤن کی وفات کی خبر سنا رہے ہیں - علمی دنیا کے لئے یہ موت سانحہ سے کم نہیں ہے - مسٹر براؤن کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر اور فارسی زبان کے محقق اور ماہر تھے - ۱۸۸۰ میں جب ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی ' انہیں فارسی کا شوق ہوا ' یہ شوق بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہنچ گیا ' ۱۸۸۷ میں خود ایران گئے اور ایک سال تک وہاں قیام کیا ' یورپ کو ' اور خود ایران کو فارسی ادب کے جواہر ریزوں سے آشنا کرانے والا یہی انگریز نژاد محقق تھا ! عوفی کا تذکرہ ' ایرانی ادبیات کی تاریخ ' جس کی اخیر جلد ابھی حال میں شایع ہوئی ہے ' چہار مقالہ نظامی عروضی کا ترجمہ اور اس کا مقدمہ ' ایرانی انقلاب کی تاریخ ' اور ایسی ہی دوسری تصانیف ' جب تک فارسی زبان بولنے والے زندہ ہیں ' زندہ رہیں گی - قومیت اور مذہب کے اختلاف کے باوجود نہایت وسیع النظر تھے - ایرانیوں سے کمال درجہ محبت رکھتے تھے - ان کی کتاب Press and Poetry in Modern Persia کے ٹائٹل کو دیکھو ' زرین حروف میں " پاینده باد مشروطۂ ایران " لکھا ہوا نظر آے گا - عجیب اتفاق ہے کہ جس سال عیسوی نے ایران کے تخت کو شاہان قاچار سے خالی کرایا ' اسی نے ایرانی ادب کے ایک رکن رکین کو بزم حیات سے اٹھا دیا !

موصوف نے پینسٹھ برس کی عمر پائی ' دنیاوی اور انسانی حیثیت سے دیکھو تو یہ مدت حیات طویل نظر آتی ہے ' لیکن علمی حیثیت سے دیکھو تو یہی کہنا پڑے گا :-

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود !

کلکتہ کے فارسی اخبار حبل المتین نے ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوے اہل فارس سے استدعا کی ہے کہ وہ اس " فیلسوف

یگانہ و مستشرق فرزانہ" کی ایک یادگار قایم کریں، معزز ہم عصر معارف بھی ایک براون نمبر نکالنا چاھتا ھے، ھماری آرزو ھے کہ یہ ارادہ جلد از جلد عملی صورت اختیار کرے اگر بالراست نہیں، تو بالواسطہ ھی، مرنے والے کا ھندوستانیوں اور اردو پر کچھ، نہ کچھ احسان ھے، شہید علم کو بھی زندہ رھنے کا کچھ حق تو ضرور ھے —

نورس کے پچھلے نمبر کے شذرات میں ھم نے ان کوششوں کا ذکر کیا تھا جو ایک مدت سے یورپ میں جگت بھاشا کے متعلق ھو رھی ھیں اور اپنے ملک کے اھل قلم حضرات سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی ھندوستان کے لئے کوئی "بھارت بھاشا" بنائیں - اسی سلسلہ میں ناظرین اس خبر کو دلچسپی کے ساتھ سنیں گے کہ کلکتہ کے مشہور انگریزی رسالہ ماڈرن ریویو نے اپنے جنوری نمبر میں مسٹر س - م - گوکھلے کا ایک مضمون شایع کیا ھے، یہ مضمون امریکہ سے لکھ کر بھیجا گیا ھے فاضل صاحب مضمون نے پہلے تو وہ خصوصیات بتائی ھیں جن کے بغیر کوئی زبان مشترکہ زبان بن ھی نہیں سکتی - مثلاً تحصیل کی سہولت، ادبی ذخیرہ، قواعد کی یکسانی بولنے والوں کی کثرت وغیرہ اور پھر بنگالی زبان کو ان خصوصیات کا حامل بتا کر اسے بطور بھارت بھاشا کے تجویز کیا گیا ھے - اس میں شک نہیں کہ یہ مضمون سطحی ھے اور گہری بحثوں سے قصداً پہلو بچایا گیا ھے لیکن اشارے کی حیثیت ضرور رکھتا ھے - اردو زبان کی بدنصیبی دیکھئے، کہ مضمون نگار ھندی زبان کا ذکر کرتے ھیں، اس کے ادبی سرمایہ کو پرکھتے ھیں، اور پھر اس کے خلاف فیصلہ صادر کرتے ھیں، لیکن ھندوستانی زبانوں کے اس سبھا میں غریب اردو کو بار نہیں ملتا، حالانکہ اگر آج کسی زبان میں اس " صدگفتار وصد دستار" ملک کی مشترکہ بھاشا بننے کی صلاحیت ھے تو وہ زبان اردو ھی ھے - ھم کسی آیندہ نمبر میں اس مضمون کا ترجمہ ھدیہ ناظرین کریں گے سر دست صرف ھوا کا رخ بتانا مقصود تھا: —

قافلے دیکھہ ' اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھہ
رھرو خوابیدہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھہ

هندی زبانوں کو بگاڑنے یا سنوارنے اور ان کے مستقبل کو روشن یا تاریک بنانے کا جیسا موقع آج کل ھے' هندوستان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ آیا هوگا۔اگر ایک طرف هندوستان کے گوشہ گوشہ میں آج مغربی علوم کی صدائے باز گشت سنائی دے رهی ھے' تو دوسری طرف هندی قومیت جنم لے رهی ھے۔یہی زمانہ اس بچے کی زبان کھلنے کا ھے۔اگر آج اس نے اپنی زبانوں میں اظہار خیال کی قدرت نہ پائی تو همیشہ همیشہ کے لئے سات سمندر پار کی زبانوں کو اپنی دیوبانی سمجھے گا۔اردو کی بہنیں اس موقع کی اهمیت کا احساس کر رهی هیں' هندی سمیلن' ناگری پرچارنی سبھا' پونہ کا بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ' الہ آباد کا انڈین پریس' بنگالی اور گجراتی زبانوں کے من چلے ادیب سب اس تاک میں هیں کہ زبان کھلتے هی یہ بچہ همیں منتخب کرے' یہ سب کے سب بدلے هوے حالات کا ساتھہ دے رهے هیں' لیکن اردو کی بد نصیبی دیکھئے کہ خود اس زبان کے ادیب زبان بندی پر کمر بستہ هیں۔اگر کوئی جدت پسند طبیعت انوکھے اسلوب بیان سے کام لیتی ھے' کوئی نئی اصطلاح وضع کرتی ھے' یا خیال کا کوئی نیا سانچہ ڈھونڈہ نکالتی ھے تو هندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس "بدعت" کے خلاف فتوے صادر هوتے هیں' اور ان پر ایسے ایسے اصحاب فن کی بھی مہریں نظر آتی هیں جنہوں نے اپنی عمر کا معتدبہ حصہ اس زبان کی ظاهری یا معنوی خدمت کی نذر کر دیا ھے!—

جن حضرات نے جنوری کے "رسالہ زمانۂ کانپور" اور "مرقع' لکھنؤ" کو غور سے پڑھا هوگا وہ ضرور همارے خیال کی تائید کریں گے' اگر ایک میں "ادب الکاتب" کے پردے میں اردو زبان کا گلا گھونٹتا گیا ھے' تو دوسرے میں "اردو زبان کی قدامت" کو عنوان قرار دیکر بعض جدید

لفظوں، اور الفاظ کی مذمت کی گئی ہے، ان دونوں مضامین کے لکھنے والے ایسے لوگ ہیں، جن کی جگہ بڑے عرصہ سے اردو خواہوں کی پہلی صف میں محفوظ ہے، "کسی مسئلہ پر روشنی ڈالنا" 'عملی جامہ پہنانا' 'سماج' اور اسی قسم کے اکثر و بیشتر جملوں اور لفظوں کو گردن زدنی قرار دیا گیا ہے، اور یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ " متقدمین کی سند نہیں ہے"! اسی طرح سے جامعہ عثمانیہ کی اکثر اصطلاحوں کی خردہ گیری کی گئی ہے، اگرچہ ہم یہاں اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہم حضرت نظم طباطبائی اور حکیم برہم جیسے بزرگوں سے کچھ تعرض کرنا چاہتے ہیں بقول غالب "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو" پھر بھی اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ دوسری زبانیں بولنے والوں کے "آداب کاتب و شاعر" اردو نظم و نثر کی کسوٹی نہیں بن سکتے اور نہ ابن رشیق کے اصول بیان و معانی بیسویں صدی کی اردو زبان پر صادق آ سکتے ہیں - زبانوں کے بڑھنے اور پھیلنے کی راہ تقلید بے جا، اور قدامت پرستی دونوں کی شاہراہوں سے دور دور ہے —

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

یوں تو جامعہ عثمانیہ کا دارالترجمہ آٹھ سال سے اُردو زبان کی خدمت کر رہا ہے اور اس کی کوشش سے اب ہماری زبان میں ایسے ایسے علوم پر بھی کچھ کتابیں نظر آتی ہیں جو پہلے اس میں نہ تھے، لیکن ابھی حال میں ان سب علوم کی اصطلاحات علمیہ کو یکجا کر کے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی طرف سے شایع کیا گیا ہے - جملہ اہم علوم کی اصطلاحیں اور ان کے ترجمے اس کتاب میں آگئے ہیں - اس میں شک نہیں کہ بعض ترجمے پرانے مذاق کے اردو ادیبوں کو ناگوار ہوں گے، لیکن جب یہ علوم عام ہوں گے اور ہماری زبان میں بھی ان پر تصنیف تالیف ہونے لگے گی تو یہ بھڑک نکل جائے گی، دیکھنا ہے کہ ملک اس کتاب کو کس نظر سے دیکھتا ہے —

نوٹ:- ہمیں افسوس ہے کہ نورس کا یہ تیسرا نمبر خلاف
معمول بہت دیر میں شائع ہو رہا ہے، انجمن اردو
کے پریس کو، جہاں ہمارا یہ رسالہ چھپتا ہے اس
عرصہ میں غیر معمولی مصروفیت رہی اور اس کا
بار ہمارے رسالہ کو اٹھانا پڑا، ظاہر ہے کہ یہ کوئی
عذر نہیں ہے اور نہ کوئی عذر ہو سکتا ہے، ہم اپنے
معاونین سے معافی کے خواستگار ہیں —



آوارہ خوانی

(از احمد حسین صاحب قدوائی سابق متعلم عثمانیہ کالج اورنگ آباد حال مدرس مدرسہ وسطانیہ اورنگ آباد)

مقولے - ضرب المثلیں - فصیح و بلیغ فقرے - انوکھی ترکیب - لفظی زبان کی خوبیاں یا جوہر ہوتے ہیں - جب کسی شخص کی زبان سے اضطراراً یا قصداً نکل جاتے ہیں اور اگر ان میں کچھ بھی دلکشی یا معنی آفرینی کی صلاحیت ہوتی ہے تو فوراً عوام کی زبانوں پر چڑھ جاتے اور قبولیت عام کی سند حاصل کرلیتے ہیں اور ایک نئے تخیل کا اضافہ کرتے ہیں —

آوارہ خوانی بظاہر تو ایک سیدھی سادی ترکیب لفظی ہے لیکن اس پر جہاں تک غور کیجئے اس کی وسعت بڑھتی جاتی ہے اور ایک جامع و مانع لفظ معلوم ہونے لگتا ہے - حضرت غالب کو اپنی ترکیب ماہ نیم ماہ پر بڑا ناز تھا تو آوارہ خوانی بھی کچھ کم باعث فخر نہیں - ایک بار یہ لفظ ایک محقق زبان و ادب کی لبوں پر جاری ہوا تو دفعۃً دل میں کھب گیا اور ہم نے اس کو اپنے مضمون کا عنوان بنا لیا —

مولانا نذیر احمد کا قول ہے کہ مطالعہ کتب میں تو عاقلوں سے باتیں ہوتی ہیں اور کار و بار دنیاوی میں جاہلوں سے، مگر یہ قول تمام و کمال صحیح نہیں اور اس کلیہ میں استثنا بھی ہے ہر کتاب عاقل کی تحریر نہیں ہوتی اور نہ ہر گفتگو جہلا سے۔ سقراط تو تحصیل علم کے لئے کتابوں کو بالکل غیر ضروری خیال کرتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ان سے سوال و جواب ممکن نہیں اس لئے وہ ہم کو کچھ سکھلا نہیں سکتیں۔ یہ قول بھی نیم غلط ہے کیوں کہ کسی کتاب کے مطالعہ سے قبل ہمارے ذہن میں کوئی نہ کوئی سوال ضرور ہوتا ہے جس کا جواب کتاب سے ملتا ہے۔ اب جواب کا عاقلانہ و جاہلانہ ہونا دونوں ممکن ہیں۔ ایک انگریزی شاعر کا قول ہے کہ میں اپنی زندگی کے دن زندوں کی بجائے مردوں میں یعنی کتابوں کے درمیان گزارتا ہوں اور ایسے دوست نظر آتے ہیں جو مجھے کبھی نہیں چھوڑ سکتے اور نہ دھوکے کا کبھی ان سے خطرہ ہے —

اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آوارہ خوانی سے کیا مراد ہے اور آوارہ خوان کس کو کہتے ہیں؟ مولانا عبدالحق صاحب اس فاضلانہ مقدمہ میں جو انہوں نے ہاشمی صاحب کے ترجمے مشاہیر یونان و رومہ پر لکھا ہے فرماتے ہیں کہ "میں ایک بدمعاش اور پاجی آدمی سے باتیں یا بے تکلفی کرتے ہوئے جھجکتا ہوں اور آپ بھی اس فعل کو بری نظر سے دیکھتے ہیں لیکن جب ایسی کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو نہ خود کو ناگوار ہوتا ہے نہ دوسروں کو۔ بدمعاش کی کوئی

حرکت شاید ناگوار بھی ہو مگر کتاب ہے کہ اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی ہے اور اس کی ہر بات دلربا معلوم ہوتی ہے۔ بازار میں کسی اجنبی سے بے تکلف باتیں کرنا تو ایک مجنونانہ فعل ہے لیکن اسٹیشن پر جو پہلی کتاب نظر پڑے اس کو خرید کر پڑھنا کیا ہے۔ کسی اجنبی شہر میں جا کر بغیر مقصد مارا مارا پھرنا با وجود کثرت آبادی تنہائی سے زیادہ گراں معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک کتب خانے میں کبھی ایک الماری کے پاس جانا کبھی دوسری دیکھنا۔ کبھی ایک کتاب اُٹھا کر پڑھنا کسی وقت دوسری۔ اس طرح سینکڑوں کتب دیکھنے پر بھی جب غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں پڑھا،،۔ اس سے ثابت ہوا کہ آوارہ خواں وہ ہے جس کا کوئی مقصد نہ ہو—

زمانۂ حال میں جب کہ پریس کی آزادی نے کتابوں کی بھر مار کر دی ہے۔ اخبارات و رسائل برساتی کیڑوں کی طرح فضا میں پھیل گئے ہیں ہماری زبان اُردو کا لٹریچر دن بدن وسیع ہوتا جاتا ہے تو معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس بے مایہ زبان ہی کے ادب کا اگر کوئی شخص مکمل طور پر اور تفصیلی مطالعہ کرنا چاہے تو اس کے لئے عمر نوح درکار ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اُردو میں اب تک آٹھ ہزار سے زائد کتب لکھی جا چکی ہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص صرف کسی ایک شعبہ کو اختیار کر کے "یکدرگیر،، پر عامل ہو تو شاید کچھ کر سکے ورنہ طلب الکل فوت الکل کا مصداق ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس کو یوں

کہہ سکتے ھیں کہ فی زمانہ علوم میں افقی ترقی تقریباً محال ھو گئی ھے البتہ عمودی ترقی کے امکانات ابھی باقی ھیں کتب کی کثرت اور مطالعہ کی نوعیت ایک نئے شخص کے دل و دماغ کو مرعوب کر لیتے ھیں اور وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ھے لیکن راستہ نہیں پاتا —

اسکاٹ نے اپنے مشہور و معروف ناول Waverley میں ھیرو کے شوق مطالعہ کا یوں خاکہ کھینچا ھے کہ وہ کتابوں کے سمندر میں اس طرح تیر رھا ھے جیسا کہ ایک جہاز جس میں بادبان نہو - فیضی نے جب اپنے زمانے کی کتب مروجہ پڑھ لیں تو باپ سے سوال کیا کہ مجھکو کیا پڑھنا چاھئیے' جواب ملا کہ پھر الف بے سے شروع کرو - مگر یہ اُس زمانہ کی باتیں تھیں کہ جب کتابیں نایاب یا کمیاب تھیں - اِس زمانہ میں جب طالب علم اپنی درسی کتب ختم کر کے مدارس سے نکلتے ھیں تو ان کی تربیت دماغی تو ھو جاتی ھے لیکن واقعی تعلیم اسکول اور کالجوں سے باھر نکلنے پر شروع ھوتی ھے - اب ھر شخص کے لئے یہ فیصلہ کرنا کہ اس کو کونسی کتب زیر مطالعہ رکھنا چاھئیں اور کیا نظر انداز کرنا ھو گا' بہت مشکل امر ھو جاتا ھے —

زندگی میں اس قدر مصروفیتیں ھوتی ھیں کہ ان کو کوئی ترک نہیں کر سکتا اور اگر کوئی صرف مطالعہ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لے تو اس کی زندگی محض ایک رھبانیت کی زندگی ھوگی جو دنیا کی ساری لذتیں چھوڑ کر صرف ایک طرف کی ھو رھی ھے اور تمدنی و معاشرتی حیات

سے محروم رہ گئی ہے - زمانہ گذشتہ میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں اور ہمارے زمانے میں بھی ایسے اشخاص موجود ہیں جن کو شہدائے راہ علم و عمل کا خطاب دیا جا سکتا ہے - لیکن ہم کو صرف ان لوگوں سے بحث ہے جو دنیاوی زندگی کے لوازم کے ساتھہ ساتھہ مطالعہ بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں اور علوم و فنون کو بالاستیعاب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ کونسا طریقہ اختیار کریں - اس ضمن میں سب سے زیادہ مشکل سوال وقت کا ہے اس لئے ایسا طریقہ معلوم کرنا چاہئے کہ تھوڑے وقت میں کافی معلومات بہم پہنچ سکیں - اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ منتخب کتب و مضامین کا صرف مطالعہ کیا جائے - یا کسی خاص فن کی تحصیل کی کوشش ہو اور پڑھنے سے قبل ایک خاص مقصد یا سوال ذہن میں ہو اس کے ماتحت سب کچھہ ہونا چاہئے - لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جائے گا کہ اس انتخاب میں رہنمائی کون کرے؟ کسی کتاب کی خوبی یا قباحت بغیر پڑھے کیونکر معلوم ہو سکتی ہے؟ یہیں سے آوارہ خوان کی داستان شروع ہو جاتی ہے —

بعض شوقین تو اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو کچھہ رطب و یابس سامنے آجاتا ہے بے تکلف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور بغیر کتاب کو ختم کئے نہیں چھوڑتے - بلکہ بعض تو ایسے کیڑے ہوتے ہیں کہ اخباروں کے اشتہارات کا ایک ایک حرف پڑھ لیتے ہیں اس کے بعد انہیں پتہ چلتا ہے کہ محض تضیع اوقات ہوئی - لیکن بکثرت ایسے لوگ ہیں جنہیں یہ بھی حس نہیں ہوتی ایسا

مطالعہ محض بے کار ہے اور ان کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوتا دراصل ایسی کتب دنیا میں بہت کم ہیں جو اول سے آخر تک صرف قیمتی اطلاعات پر مشتمل ہوں اور ناظر کی معلومات میں کچھ نیا اضافہ کریں ورنہ عموماً ہر کتاب میں برائے بیت یعنی بھرتی کے مضامین بکثرت ہوتے ہیں بعض بڑی ضخیم کتابوں میں بھی اگر کام کی باتیں تلاش کرو تو بہت کم پاؤ گے —

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں مطالعہ کرنے والوں کا کیا حال ہے - اسی ضمن میں ہم معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے مطالعہ پر نظر ڈالیں گے کہ ان کی آوارہ خوانی کے کیا اسباب ہیں اور انہیں کن ترغیبات و موانعات سے سابقہ پڑتا ہے - ایک شخص جب کسی کتب خانے یا دارالاخبار میں نیا نیا داخل ہوتا ہے اور کتابیں شیشے کی الماریوں میں قرینے سے رکھی اخبارات و رسائل ترتیب سے میزوں پر لگے ہوئے دیکھتا ہے تو فوراً پہلے ایک رسالہ کو ہاتھ میں لے کر چند ملٹ ادھر اُدھر کی چار سطریں پڑھتا ہے اس کے بعد کسی دوسرے اخبار کی طرف نظر پلٹتی تو اس کی سرخیاں دیکھنا شروع کر دیں - اس سے طبیعت اکتائی تو کسی مصور رسالے کی دلکش تصاویر پر نظر جا پڑی کچھ دیر تک صانع کردگار کی خوش آفرینی کی داد دی یا فوٹو گرافر کی چابکدستی پر زبانی حال سے بیساختہ واہ واہ نکل گئی - اب اپنی جگہ سے اُٹھ کر کتابوں کی الماریوں پر نظر ڈالی جو کتاب سب سے زیادہ خوبصورت اور سنہری جلد کی معلوم ہوئی اس کو

نکلوا کر چند اوراق الٹے پلٹے اور اگر اتفاق سے وہ کتاب کسی ایسے فن کی نکلی جس سے ہمارے قاری کو کوئی مس نہیں تو فوراً الگ رکھدی - اب جو دل گھبرایا تو کتاب حاضری پر اپنے دستخط ثبت کرکے خواہ مخواہ لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہوگئے اور مطالعہ کرنے والوں کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ کردیا - پس سارے مطالعہ کی کل یہ کائنات تھی - یہ تو بیچارہ پھر کچھہ غنیمت تھا - بعض حضرات تو صرف استہارات پر ایک نظر ڈالکر ہی بلا کسی مضمون کی چند سطور کو تکلیف دئیے ہوے واپس ہوجاتے ہیں - یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے —

آوارہ خواں کی اسی نفسی کیفیت کا مطالعہ کرکے مسیحی مشنریوں نے بائبل کی اشاعت میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی ہے - مختصر سنہری جلد کی کتب چھاپ کر لوگوں کی توجہ کو منعطف کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے - فن اشتہار بازی مین بھی اس سے کام لیا گیا ہے کہ ناظر کو خواہ مخواہ اس کے پڑھنے کی ترغیب ہو - ایک دوسری نفسی حالت بھی قابل غور ہے کہ خوبصورت اور خوش خط چھپی ہوئی کتاب ناظر کو مرعوب کر لیتی ہے اور عموماً لوگ ہر چھپی ہوئی کتاب کو صحیح سمجھتے ہیں خواہ اس میں رطب و یابس ہو - اول سے آخر تک اس کو پڑھنا اپنی ناموری خیال کرتے اور قاضی کی لال کتاب سے زائد اس کی وقعت سمجھتے ہیں - اکثر عوام جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں اگر کسی نے اس میں کچھہ شک کیا تو فوراً جواب دیتے ہیں یہ تو کتاب میں

بھی چھپ گیا ھے۔ اس سے زائد معتبر ھونے کی دلیل اور کیا ھوسکتی ھے۔ یہ تو عوام ھیں آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات تو جب تک کوئی واقعہ اخبارات میں نہیں پڑھ لیتے انہیں یقین ھی نہیں آتا اور ریوٹر ایجنسی کی خبروں کو وحی آسمانی سے کم خیال نہیں کرتے جس پر حضرت اکبر مرحوم کو یہ کہنا پڑا: ع:

پانیر لکھتا ھے بیمار کا حال اچھا ھے

ملٹن کہتا ھے کہ اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا بالکل ایسا ھے جیسے کسی انسان کا گلا گھونٹنا۔ کیوں کہ فضولیات کے پڑھنے سے اچھی کتابیں مردوں کے برابر ھوجاتی ھیں، دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ھیں جو باقاعدہ مطالعہ کرتے ھوں اور درجہ اعلیٰ کی کتب پڑھتے ھوں ورنہ عام طور سے یہی دیکھا جاتا ھے کہ جب ھم کسی سے کوئی سوال کرتے ھیں تو ھمارے ذھن میں وہ پہلے سے موجود ھوتا ھے لیکن جب ھم کتاب کو اُٹھاتے ھیں تو بالکل خالی الذھن ھوکر۔ حقیقی مطالعہ میں سب سے اول کوئی نہ کوئی سوال یا مسئلہ پیش از پیش دماغ میں ھونا چاھئے اور اس کا جواب اس سے لینا چاھئے ورنہ بجائے فایدہ کے اُلٹا نقصان ھوگا اور ھر مطالعہ کسی نہ کسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ھو تو البتہ مفید ھے ورنہ محض تضیع اوقات۔ بعض کتب ایسی ھوتی ھیں جنہیں ربط و تسلسل کے لئے اول سے آخر تک پڑھنا پڑتا ھے لیکن اکثر کتب تو صرف جستہ جستہ پڑھنے کے لئے ھیں کیوں کہ دنیا کی مشغولیتیں اس قدر بڑھ گئی ھیں کہ ھر کتاب کو پوری طرح

پڑھنا ناممکن ہو گیا ہے ——

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر لوگ اس زمانہ میں کیا پڑھتے ہیں - سب سے زیادہ اس وقت جو کتب پڑھی جاتی ہیں وہ صرف ناول ہیں - یہ لٹریچر ملک میں جس وقت سے شائع ہوا ہے نوجوانوں کا بہت سا وقت ضائع کرا دیتا ہے اور بعض نوآموز طالب علموں کو اس نے دین و دنیا کہیں کا نہ رکھا - ملک کا ایک بڑا طبقہ ابوالعلائی پریس اور مہادیو پرشاد ورما کا مرہون منت ہے کہ انہوں نے یہ حشرات الارض جس کے لئے بارش بھی لازمی نہیں اس قدر افراط سے پیدا کر دیا ہے اور جس سے فضا اس قدر متاثر ہوگئی ہے کہ کسی اور شے کے لئے گنجائش بہت کم رہ گئی ہے - ہر ریل کا مسافر اسٹیشن پر دو ایک کتابیں ضرور خرید لیتا ہے کہ سفر آسانی کے ساتھ طے ہو جاوے - دوسرا نمبر اخبارات کا ہے چوں کہ زمانہ جنگ سے و نیز اہل ملک کی عام سیاسی بیداری کی بدولت ان کے پڑھنے والے بکثرت پیدا ہوگئے ہیں اور گذشتہ جنگ کے ایام میں تو جہلا بھی ایک پیسہ کا اخبار خرید کر ہر کسی آیند روند خواندہ شخص سے اس کو پڑھوا کر ضرور سنتے تھے اور ریوٹر کے تاروں پر بحث و تنقید کرتے تھے اور جرمن کی شکست کی خبریں خلاف توقع پا کر انکا یقین نہ کرتے تھے اور بعض تو بڑے بڑے اہم مسائل پر نہایت متانت سے گفتگو کرتے ہوے پائے گئے ہیں - ہمارے نوجواں فیشن ایبل جب کوئی ریل کا سفر کرتے ہیں تو درجہ سوم کے گنواروں کو مرعوب کرنے کے لئے جہاں کوٹ

پتلون کے ساتھہ ہیٹ لگانا ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ آرام سے بیٹھنے کی جگہ مل جائے وہاں ایک انگریزی اخبار بھی خریدنا لازم ہوتا ہے خواہ اس زبان کے حرف شناس بھی نہوں - ایک مرتبہ ایک صاحب کا ریل میں ساتھہ ہوا جو اسی طرح انگریزی اخبار سے خبریں پڑھکر دھقانیوں کو سنا رہے تھے-غور کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت اخبار کو الٹا لئے ہوے تھے اور ساری من گھڑت باتیں سناکر داد حاصل کررہے تھے- جب ان کو معلوم ہوا کہ اس درجہ میں کچھہ انگریزی داں بھی موجود ہیں تو نادم ہوکر اگلے اسٹیشن سے دوسرے درجہ میں چلے گئے - کلبوں میں بھی کبھی کبھی ایسے لوگ نظر آجایا کرتے ہیں - اسی سلسلہ میں ایک واقعہ اور بھی قابل ذکر ہے ہمارے ملک کے مشہور نامور مورخ ایک مرتبہ اپنے سفر یورپ کے حالات بیان کر رہے تھے اور انگلستان کے امرا کے ذکر میں انہوں نے فرمایا کہ وہاں کے دولتمند بھی بعض معاملات میں ہمارے ہندوستانی روسا سے کم احدی نہیں ہوتے یہانتک کہ خود اخبار بھی پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے البتہ ان کے منشی کبھی آکر اخبارات کے کچھہ مضامین پڑھکر سنا دیا کرتے ہیں- انھوں نے زیادہ سے زیادہ اگر کیا تو مصور رسالوں کی تصاویر پر ایک دزدیدہ نظر ڈال لی- ان لوگوں کو اگر ہندوستان کی وایسرائلٹی بھی عطا کی جارے تو بھی شاید اس قدر زحمت سفر وہ گوارا نہ کریں—

اب رسائل کے مطالعہ کرنے والوں کی طرف توجہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسالہ کو اس کی شکایت ہے کہ ملک

میں اس جنس گراں کا کوئی خریدار نہیں - اس لئے عدم دستیابی یا کمیابی قدردانان کی بدولت یا ملک کے تعلیم یافتہ گروہ کے تغافل کے صدقے میں کچھہ دنوں زندہ رهکر همیشہ کے لئے سو جاتے هیں - اس کی وجہ ایک حد تک صرف غفلت اور جمود هی نہیں هے بلکہ انکا لغو اور فضول لٹریچر اور بازاری مضامین بھی بڑی حدتک ذمہ دار هیں جن کا نہ پڑهنا هی بہتر هے - لیکن دوسرے طرف جب هم ایسے اعلی پایہ کے رسائل پر نظر ڈالتے هیں - جیسے معارف یا اُردو هیں اور ان کے قدرشناس بھی کافی نہیں پاتے تو معاً یہ خیال آجاتا هے کہ ملک میں ابھی ذوق صحیح اور طبع سلیم کی شاید صرف ابتدا هوئی هے --

مگر اب حالات بدل رهے هیں- انگریزی تعلیم کی بدولت اعلی قسم کا لیٹریچر ملک میں پیدا کرنے کی کوششیں هو رهی هیں اور نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک بڑا گروہ مطالعہ میں انہماک وطلب صادق کے آثار ظاهر کر رها هے - اس وقت ضرورت هے کہ صحیح رهنمائی کیجائے تاکہ انتخاب کتب میں ان کو آسانی هو اور ادنی قسم کے لٹریچر سے وہ محفوظ رہ سکیں - ملٹن نے کہا هے کہ عمدہ کتاب حیات جاودانی هے اور یہ قول بالکل سچ هے کیونکہ وہ خود بھی زندہ هے اور اپنے پڑهنے والے کو بھی زندہ رکھتی هے - دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی هے جو کسی کتاب کو پڑهکر اپنے خیالات کو هیجان میں لائے اور بڑے رفارمر بن گئے - مطالعہ کتب کی بدولت هی

بکثرت اشخاص نے اپنے لئے نئی شاہ راہیں نکالیں —

ہماری اُردو زبان بھی اب بہترین ادب نگار پیدا کر رہی ہے۔ ادب لطیف کے بجائے جملہ فنون میں کتب ذریعہ تراجم و تالیف کتب مہیا کیجا رہی ہیں - ہماری عثمانیہ یونیورسٹی اور اس کے ساتھہ دارالترجمہ نے ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے - ایک طرف اگر دارالمصنفین علوم مشرقی کو اُردو کا لباس پہنا رہا ہے تو دوسرے طرف انجمن ترقی اُردو فنون مغربی کو دیسی لباس میں ملبوس دیکھنا چاھتی ہے - سارے ملک میں عموماً اب اثار ترقی ہویدا ہیں - اب مفید کتب اور قابل مطالعہ تحریرات کی کمی دور ہورہی ہے - اگرچہ ابھی اُردو کو اپنی ہمسایہ زبانوں مثل بنگالی - مرہٹی اور گجراتی کا درجہ ملنے میں ذرا دیر ہے لیکن بہ تعجیل اس کی طرف قدم زنی جاری ہے- سب سے بڑی ضرورت اس وقت اُردو انسا ئکلوپیڈیا کی ہے جس کا احساس ترقی پر ہے - اور وہ دن دور نہیں کہ جب یہ مشکل بھی حل ہو جائیگی - مختلف علوم وفنون کے لٹریچر اب باسانی مل سکتے ہیں - بیسویں صدی میں جسقدر اردو نے ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز ہے - باقی ساری عمر میں جو کچھہ سرمایہ مہیا کیا گیا تھا وہ صرف شعرا کے ضخیم دیوانوں یا بڑے افسانوں کے سوا کچھہ نہ تھا—

یہ سب کچھہ صحیح ہے لیکن اب بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ملک کی نئی پود کو راستہ دکھانے کے لئے مشعل برداری کی خدمت کون انجام دے گیا – اس کا جواب یہ ہے کہ

ہماری خوش قسمتی سے اس زمانے میں ایسے بزرگان قوم کی ایک کافی تعداد موجود ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر مطالعہ میں صرف کردی ہے اور ایک بڑا زمانہ گذارنے کے بعد صرف یہ معلوم کر سکے کہ عمر کا ایک بڑا حصہ آوارہ خوانی میں گزرا اور سوائے بیکار و فضول کتب کے بہت کم مفید مطالعہ ہوسکا گویا یہ حصہ عمر ضائع ہوا اور لا یعنی باتوں میں بسر ہوا اور جب تجربہ نے شاہراہ مقصود دکھلائی تو عمر آخر ہوچکی تھی اب سوائے حسرت و افسوس کے کیا رکھا تھا - جن موانعات یا ترغیبات کا اُن کو سامنا ہوا وہی ہر نوجوان کو ابتداء میں پیش آیا کرتے ہیں - اور ایک بڑے مرحلہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ مفید کیا ہے اور غیر ضروری کونسا - ان اشخاص میں ایک تعداد ایسی بھی ہے کہ جنہوں نے کسی مدرسے یا یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی تھی بلکہ اپنے ذوق سلیم کی بدولت بڑے مشاہیر ادیب یا مصنف بنگئے - مگر یہ بالکل مستثنیٰ لوگ ہیں انکی تقلید ہر کسی کے لئے قابل عمل نہیں - زمانۂ قدیم میں ایسے غیر معمولی دل و دماغ کے علما و فضلا گذرے ہیں کہ ان کے مطالعے کا شوق جب ہم سنتے ہیں تو بمشکل یقین آتا ہے انکی تصنیفات کی ضخامت کو دیکھکر معاً یہ خیال ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اسیقدر عرصہ میں شاید محض کتابت بھی نہ کر سکیگا - لیکن افسوس ہے کہ ان بڑے اشخاص کے کارناموں سے ہمیں ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ انکا طریق مطالعہ کیا تھا - بعض کی نسبت تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کتاب کو تین بار سے کم نہیں پڑھتے تھے اور بعض خاص باتوں کو نوٹ کر

کے یاد کرتے تھے—

اس لئے ضرورت ھے کہ کوئی شخص جو نہالان ملک کو نہایت صحیح مشورہ دے سکے سب سے پہلے یہ حل کرے کہ جب کوئی طالبعلم پڑھنے لکھنے کی معمولی استعداد پیدا کرچکے تو اس کے بعد آئندہ کن اصولوں پر اپنے مزید معلومات کی بنیاد رکھے اور بے راہ چل کر بھٹکتا نہ پھرے - نہ وقت ضائع کرے اور نہ بے راہ روی سے غلط نتایج تک پہونچے بلکہ منزل مقصود اس کو سامنے دکھلائی دے جس کے شوق میں راہ کی دشواریاں اس کی ھمت نہ پست کر دیں - یعنی مضامین کتب کو کم وقت میں بالاستیعاب حاصل کرسکے - میرے خیال میں سب سے پہلے ھماری زبان میں انگریزی کتب کیطرح Index یعنی اشارہ نما لگائے جاویں اور فہرست مطالب مبسوط اور مفصل ہونی چاھئے اس کے علاوہ عنوان بندی سے بھی زائد کام لیا جائے - اس صورت میں ھر شخص جس خاص شے کو معلوم کرنا چاھتا ھے اس کی تلاش میں اس کو دقت نہ ھوگی اور ساری کتاب کی ورق گردانی سے بچ جائیگا - دوسری شے جو بہت ضروری ھے وہ یہ ھے کہ ھماری زبان میں بھی آسامی کتب یعنی Bibliography کے فن پر کتب تیار کی جائیں جس سے یہ تو معلوم ھوسکے کہ کس فن میں کون سی کتب موجود ھیں یا کسی خاص موضوع پر اھم تصانیف کتنی لکھی جا چکی ھیں - عربی زبان میں ابن ندیم کی الفہرست ھے جس میں کتب خانہ خدیو کے متعلق مکمل حالات موجود ھیں انگریزی میں ایسی کتابیں بکثرت ھیں - حال میں دارالمصنفین اعظم گدہ کی طرف سے ایک مختصر

فہرست شائع ہوئی ہے لیکن وہ ابھی بالکل ناکافی ہے۔ ایسی فہرستوں کی تیاری کے بعد جملہ مصنفین، ان کے مختصر حالات، ان کی کتب کے مضامین کا خلاصہ، اگر یکجا ہوجائے تو مطالعہ کے فن میں بڑی حد تک رہنمائی کریگا۔ انسائکلوپیڈیا یا بریٹینکا کی طرح اگر کوئی کتاب اردو میں ہو تو مختلف علوم کے بہترین مضامین اعلی پایہ کے مصنفین کے لکھے ہوے یکجا مل سکینگے اور ہر شخص کو کسی خاص نوعیت یا فن کے مضامین میں کما حقہ و بلا زیادہ زحمت اٹھائے واقفیت حاصل ہوسکیگی لیکن اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کوئی شخص اس فن میں ماہر ہوجائیگا کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ڈکشنری کو حفظ یاد بھی کرے تو بھی اسے زبان نہیں آسکتی جب تک ادب کا تفصیلی مطالعہ نہ کرے —

اس زمانے کی تصنیفات بکثرت ایسی مل سکتی ہیں جو ہزاروں کتب کا عطر مجموعہ ہوتی ہیں اور انسان ان سے اپنا دل و دماغ معطر کرسکتا ہے اور ایک کثیر مطالعہ اور تضیع اوقات سے بچ سکتا ہے۔ اور اب روز بروز اس طرف میلان بڑھتا جاتا ہے کہ جملہ علوم کو سائنس بنا دیا جائے۔ اس زمانے کی ایجادات نے بعد زمان و مکاں کو بیحد گھٹا دیا ہے اور آدمی اب بجائے تو کارزمین را نکو ساختی کے فضا میں آسمان پرداختی کر رہا ہے۔ محنت بچانے والی کلیں اپنا کام کر رہی ہیں۔ اس لئے اس بات کا بھی اب امکان ہوگیا ہے کہ ایسے طریقہ بھی ایجاد ہو جائنگے جن کی مدد سے کوئی شخص بہت کم وقت میں زائد مطالعہ کر سکے اور عرصہ قلیل

میں جملہ علوم کو حاصل کرسکے - فی الحال یورپ و امریکہ میں مطالعہ کے طریقوں کی تحقیقات ہو رہی ہے اور ان ممالک کے جیسے ترقی یافتہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان میں بمشکل فی ہزار ۱۳۲ - ایسے نکلتے ہیں جو کسی کتاب کی کوئی خاص بحث ڈھونڈ کر نکال سکیں اور اسے پڑہ سکیں - چہ جائیکہ ہمارا ملک جہاں فی ہزار ایک کی نسبت بھی مشکل معلوم ہوتی ہے اس لیے یہاں کے لیے - سر دست تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی عمر میں بکثرت علوم و فنون کو حاصل نہیں کرسکتا اس لیے اس کو کسی ایک کا ہو رہنا چاہئے اور ایک فنی ہو کر اس میں کامل ہونا ممکن ہے - لیکن شاید یہ کہا جائے کہ اس صورت میں یہ شخص عام معلومات میں ناقص رہ جائیگا - اور مضمون کی یکسانیت زندگی کو اجیرن کردیگی کیونکہ فطرت انسانی عموماً تنوع پسند ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دنیا کے دیگر فنون میں اس کو ابجد خوانی بھی نہیں کرنی چاہئے البتہ یہ ضرور ہے کہ تخصیص صرف ایک ہی میں ہونا چاہئے ـــ

آوارہ خوان کی زندگی ایک بھونرے یا تیتری کی سی ہے جو ہر پھول کی لذت اٹھاتے ہیں لیکن کچھہ اندوختہ نہیں کرتے یا مثل جھینگر کے ہے جو ساری کتابیں چاٹ کر بھی عالم نہیں بنتے مگر باقاعدہ مطالعہ کرنے والا شہد کی مکہی کی طرح ہے جو مختلف پھولوں سے عرق لے کر ان کو ترکیب دیتی اور ایسی نفیس شے تیار کرتی ہے جس سے خود بھی متمتع ہو اور خلقت کو بھی فائدہ پہونچائے - یعنی اس کو دماغدار اور

خذ ما صفا پر عمل پیرا ہونا چاہئیے—

اب رہی اس کی دوسری صنف کہ پڑھنا کیونکر چاہئیے - اس کے جواب کے لیے زمانہ موجودہ میں جو اصول و قواعد تعلیم یورپ و امریکہ میں علم النفس کی مدد سے ترتیب دیے گئے ہیں ان کے لحاظ سے وقت کی دو تہائی حصے کی بچت ہوجاتی ہے - پیمائش ذہن کا طریقہ بھی نہایت درجہ مفید ثابت ہوکر رواج پذیر ہو رہا ہے - اس صورت میں دماغ پر بلا مزید بار ڈالے ہوئے بہت کچھ دل پر نقش کیا جا سکتا ہے - مطالعہ کے لیے سب سے اول اطمینان خاطر ہونا چاہئیے اور جگہ جہاں انسان بیٹھکر کتاب دیکھے پر سکون ہونا چاہئیے نشست ایسی ہو جس سے سارے حواس کام کر سکیں اور بدن میں مستعدی پائی جاوے - کتاب کھولتے ہی یہ سوال کر لیا جاوے کہ کیا معلومات حاصل کرنا ہیں پہلے ابواب و مضامیں کی سرخیوں پر نظر پڑے - یعنی انڈکس کو دیکھنا چاہئیے بعد ازاں صرف اپنے مفید مطلب حصوں کو پڑھنا چاہئیے - کتاب شروع کرکے جلد جلد پڑھی جاوے - درمیان میں پنسل سے خاص مواقع پر نشانات کر لئے جاویں یا الگ نوٹ کر لیا جاوے - تو اس صورت میں ساری کتاب اپنی ہوجائیگی - قراءت میں بعض کی رائے ہے کہ آہستہ پڑھنا چاہئیے لیکن بعض آواز سے پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں - صورت اول میں صرف قوت باصرہ پر اثر پڑتا ہے اور دوسری صورت میں سامعہ و باصرہ دونوں اپنا کام کرتے ہیں - ترکیب اول سے وقت کی کفایت اور ترکیب دویم میں دل دماغ پر گہرے نقوش پڑتے ہیں - آرام طلبی کے

ساتھہ لیت کر پڑھنا بالکل غیر مفید ھے اور بعض لوگ جو سوتے وقت کتاب ھاتھہ میں لیتے ھیں اس سے ان کا مقصد صرف نیند لانا ھوتا ھے پڑھنے سے اس کو سروکار نہیں - اس صورت میں خیالات کی یکسوئی سے جلد نیند آ جاتی ھے اور کتاب ھاتھوں سے چھوت کر الگ جا گرتی ھے - یہ تھی آوارہ خوانی کی سرگذشت جو اوپر بیان ھوئی آئندہ چلکر شاید نفسیات کی رو سے کچھہ مزید روشنی ڈالی جا سکے —



"ارض دکن سے خطاب"

(از جناب عبدالقدیر صاحب قدیر اورنگ آبادی)

اے دکن کی سرزمیں، اے مایہ‌دار جامعہ
تیری ہستی سے ہے وابستہ وقار جامعہ
دیدنی ہے منظر صبح بہار، جامعہ
ہوں مبارک تجھکو یہ لیل و نہار جامعہ

حبذا کیا تیری فطرت آسماں پرواز ہے
آج کل ہر فرد تیرا، گوش بر آواز ہے
مدتوں تیری فضا آلودۂ ظلمت رہی
اور ممنون تساہل تیری کیفیت رہی
تیری دنیا آج تک آسودۂ غفلت رہی
با وجود افکار تازہ خوگرراحت رہی

ہاں! مگر اب آج کل شیرازۂ حکمت ہے تو
ہے تو کہنے کو زمیں پر مائل رفعت ہے تو
روغن اندازی کی تو نے شمعدان علم میں
اور جنبش ڈال دی کیا کاروان علم میں
ہے کہاں مد مقابل تیرا شان علم میں
امتیاز حاصل ہے تجھکو اب جہان علم میں

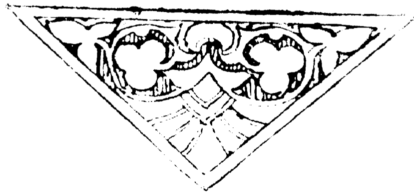
تو نے بزم جامعہ کچھہ اسطرح آباد کی
یاد تازہ ہو گئی، غرناطہ و بغداد کی،
دور حاضر میں ہے تو گہوارۂ علم و ہنر
تیرا مستقبل نظر آتا ہے خوش آئیندہ تر

آبیاری ادب پر تو نے جو باندھی کمر
تیری ہمسایہ زمینوں پر بھی ہے اُس کا اثر
ہر ادائے دلنشین تیری ادب آموز ہے
ہر نفس تیری فضا کا، انجمن افروز ہے

شاہد اُردو نے، کہتے ہیں، لیا تجھہ میں جنم
اس لئے ہے اُس کے سر پر تیرا دامان کرم
پرورش تو کر رہی ہے اُس کی با نازو نعم
پایا ہے تیری بدولت اُس نے یہ عزو حشم
ہر نظر اُردو کے حق میں تیری لطف آمیز ہے
بادۂ ایثار سے ساغر ترا لبریز ہے

تیرے فرزندوں کی گر پیہم یہی کاوش رہی
اور یہی اِک آرزو سرمایۂ نازش رہی
یو نہی مہسر علم کی ان پر اگر تابش رہی
اور درس ارتقا ہی کی انہیں خواہش رہی
پھر تو ہو جائیگی تو رشک کہاں مغربی
تجھہ سے قایم ہو گئی مشرق میں مثال مغربی
تیری ہستی ناروا، کیوں! موردالزام ہے
ساری آبادی کو جب کہ ایک ہی پیغام ہے"

تو بلا تفریق ملت، چشمۂ اقوام ھے
گھاٹ سے سیراب تیرے آج خاص و عام ھے
تیرے دامن میں پھلے پھولے ترا دارالعلوم
ھوں کرم فرما زیادہ تجھ پہ سلطان العلوم



واھمہ کی نیرنگیاں

اگر کوئی شخص امراض دماغ کے دوا خانوں یا پاگل خانوں میں جاے تو اُسے بہت جلد یہ محسوس ھو جاے گا کہ بیماروں میں گونا گوں واھمے اور التباسات پاے جاتے ھیں—

اگر ان مقامات میں تم سیاح کی حیثیت سے جاؤ اور صف مجانین سے گزرو تو تمھیں کھیں تو ایسے بزرگ ملیں گے جو کہ لاکھوں روپیوں کی ملکیت کے دعویدار ھیں! کوئی صاحب سلطان روم اور شہنشاہ ھند کی خیالی مسند پر متمکن نظر آئیں گے! کوئی اپنی علمیت کے نشہ میں مست نظر آے گا اور ھزاروں زبانوں کے جاننے کا دعویٰ کریگا اور کوئی صاحب علاج معالجے میں خود کو مسیحاے دوراں خیال کرتے ھونگے! کھیں کھیں کوئی ایسا مریض نظر آے گا جس کا دعویٰ ھو گا کہ میں شیخ وفاتی اور رستم ھوں اور اگر آپ اعتراض کریں کہ وہ رستم اور ساتھہ ھی شیخ وفاتی دونوں کیسے ھو سکتا ھے تو آپ کو جواب ملے گا کہ—

"میں ایک ماں سے رستم اور دوسری سے شیخ وفاتی ھوں!"

ڈاکٹر اسٹا ڈرٹ ایک بیمار کا حال اس کی زبانی سنکر یوں لکھتا ھے کہ ایک مرتبہ ایک شریر گھوڑے نے چند بچوں کو جو سڑک پر کھیل رھے تھے اور جن میں وہ بھی شریک تھا خوف زدہ کر کے بھگا دیا۔ چالیس سال کے بعد جب اُن بچوں کی ماؤں نے اپنے اپنے بچے کو ڈھونڈ نکالا تو یہ ممکن تھا کہ وہ بچے آپس میں تبدیل ھوجاتے اور یہ (بیمار) منصب شہزادگی کا وارث بن جاتا! بالآخر یہ بات حسب حال صحیح ھوھی چکی۔ اب یہ شخص پاگل خانے میں ھے اور شہزادہ بنا ھوا ھے —

اگر کوئی ایسے مریضوں کو ذرا بھی عزت و حرمت کی نگاھوں سے دیکھے تو وہ سمجھتے ھیں کہ اِس کا سبب صرف اُن کی اھمیت اور عظمت ھے —

ان خاص حالتوں سے قطع نظر عوارض دماغ کے دواخانوں میں اکثر یہ آوازیں بھی سنائی دیتی ھیں —

"میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ متمول ھوں"

"میں طاقت و جوانمردی میں رستم زمانہ ھوں"

"میں زندہ رھنے کے قابل نہیں"

"میں مرچکا ھوں۔ میں کبھی نہیں مروں گا"

"میں نے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا ھے"

"دنیا مرے خلاف مصروف سازش ھے"

"میں ایک بادشاہ کا بیٹا ھوں"

"میں ایک نہایت خوبصورت لڑکی سے شادی کرنا چاھتا ھوں"!

" میں حیوان مطلق ہوں " !

ممکن ہے کہ کہیں کوئی عورت یہ شکایت کرتی ہوئی نظر آئے کہ کوئی فرضی شخص اُس کے عشق میں گرفتار ہے اُس پر ظلم کرتا ہے اور اِسے اسی چیز کا سوہان ہے —

بعض اوقات دارالمجانین میں دو رشتہ دار مریض ایسے ملیں گے کہ دونوں کی زبانوں پر ایک ہی دعوے مہمل ہو-لیکن ایسے واہمے اور التباسات ضرور نہیں کہ نشان جنون ہی سمجھے جائیں-ذی عقل انسانوں میں بھی ایسی چیزوں کا پایا جانا عجب نہیں ہے-اکثر لوگ منتر-جادو-گنڈا-اور تعویذ کے قائل ہوتے ہیں-ایسے بھی ہیں کہ دستر خوان پر تیرہ آدمیوں کا ہونا منحوس سمجھتے ہیں-کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے سامنے سے کسی رنگ کی بلی کا راہ کترنا برا شگون سمجھتے ہیں-بچوں کو پریوں کے وجود کا یقین ہوتا ہے خوبصورت گڑیوں کو اپنا جیسا جیتا جاگتا خیال کرتے ہیں' لیکن اِن باتوں سے عام رائے اُنہیں مجنوں نہیں کہتی —

پس معلوم ہوا کہ حالت جنون کی طرح حالت ہوشیاری کے بھی واہمے ہوتے ہیں' اور ہم کو ان دونوں میں فرق کرنا چاہئیے-حالت ہوش کے واہمہ کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ وہ ایسے خیالات ہیں کہ جنہیں اُس شخص کے (جو اُنہیں باندھے) ہم فرقہ-ہم خیال و ہم نسل مانیں

وہ لوگ جو "ڈارون" کے قانون ارتقا کو نہیں جانتے کسی ایسے شخص کو جو ذوی‌الحیات کی تخلیق کی توجیہ ارتقائی اصولوں پر کرے دیوانہ سمجھتے ہیں مگر

چونکہ وہ شخص اُن چیزوں کے غور وخوض میں اپنی عمر صرف کرتا ھے اور اس کے علاوہ ماھران علم الحیات اُس کے بیان کی صحت یا غلطی خوب جانتے ھیں اور اُس کے حامی رھتے ھیں اس لئے یہ اپنے خیال پر اصرار نہیں کرتے —

اِس کے بالعکس حالت جنوں کے واھمے جس وقت سنے جاتے ھیں ویسے ھی مہمل و بے بنیاد معلوم ھوتے ھیں، لیکن پھر بھی طبی نفسیات کے ماھر جانتے ھیں کہ ان کی تہ میں دبے ھوئے جذبات اور مسدود خواھشات اپنا کام کر رھی ھیں —

چونکہ ھم جانتے ھیں کہ ایسے مجانین نہ صرف اپنے بلکہ سوسائٹی کے حق میں بھی مضرت رساں ھوتے اس لئے مجبور ھوکر اُنھیں دارالمجانین میں داخل کردیتے ھیں جہاں اُن کا علاج کیا جاتا ھے اور اُن کے حرکات کی نگرانی بھی خوب ھوتی ھے —

یہ لوگ تو خیر مجنوں سمجھے ھی جاتے ھیں، لیکن ھمیں اُن لوگوں کو جو اپنی علوے شان پر یقین کامل رکھتے ھیں اپنے فرقہ-جماعت - یا گزشتہ کامیابیوں پر فخر کرتے ھیں اور اِس پردہ میں اپنے ھمجنسوں کے ساتھہ نامناسب برتاؤ کرتے ھیں کیا کہنا چاھئے؟ ضرورت ھے کہ اس سوال کا جواب صداقت اور تحقیق کے بعد دیا جائے کیونکہ ممکن ھے کہ ھم بھی ان کی طرح کے غلط خیالات میں مبتلا ھوں —

ھر شخص بہت آسانی کے ساتھہ اپنے دل میں یہ خیال قائم کر لیتا ھے کہ اُس سے زیادہ نیک اور دنیا کے لئے اھم کوئی

دوسرا نہیں۔اُس کی جماعت اور قوم عمدہ ترین ہے - اور اُس کا مخالف نہ صرف غلطی پر ہے بلکہ مکار اور بد معاش بھی!—

لیکن سائنس سے ہمیں کیا معلوم ہوتا ہے؟ کائنات کی وسعت بے پایاں میں کرۂ زمین خود ایک ذرا نقطہ ہے—
کسی شخص کو کسی دوسرے سے پیشتر وجود میں آنیسے شرمندہ نہونا چاہئیے ۲۵۰۰۰ اور ۴۰۰۰۰ سال کے درمیان دنیا میں ایسے لوگ آئے جنہیں صحیح طور پر اشرف المخلوقات کہا جاسکتا ہے - اور اُنہیں کی نسلیں اب بحیثیت مجموعی ہوموسیپیینس (Homo-sapiens) کے نام سے پکاری جاتی ہیں - اگر ہم طبعی تاریخ کا مطالعہ کریں اور انسان اور اُس کی بنائی ہوئی چیزوں کی تدریجی ترقی دیکھیں تو ہمیں اُن اجزا کا علم ہوجائیگا جنکا مرکب نتیجہ انسانی ترقی ہے—

اقوام کی تاریخ ہمیں کیا بتلاتی ہے؟ موجودہ اقوام کے ماضی کی تاریخ میں بہت سی باتیں اُن کے لئے قابل فخر اور بہت سی موجب ننگ پائی جاتی ہیں۔ہماری رائے ہے کہ ناظرین ایچ-جی ویلز کی تاریخ "دی آرٹ لائن آف ہسٹری" کا مطالعہ ضرور کریں۔اُس کا مصنف لکھتا ہے کہ انسانی تاریخ دراصل خیالات کی تاریخ ہے۔جنگوں کے وقوع میں آنے سے پہلے کے انسانی خیالات کی جانچ پرتال اس سے کی جاتی ہے۔گذشتہ چھ سال کے عرصہ میں جمے ہوے خیالات۔تعصبات اور ذہنی حدود جن کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

جنگ کے ساتھہ ھی دنیا کے دلوں سے رخصت ھوگئے-یوں تو دنیا کے مسلمہ اور مفروضہ خیالات اُس کے ارتقا کے ساتھہ ساتھہ بدلتے آرھے ھیں لیکن جنگ عظیم کے بعد ایسی تبدیلی کی حد ھوگئی-غالباً اس سے پہلے ایک ھی مقصود کے ساتھہ اور ایک ھی تقدیر کے فیصلہ پر رضامند اور متفق ھوکر کبھی آدمی آپس میں مقابل نہیں ھوے ھونگے-سردست ھم اس کا اندازہ نہیں لگاسکتے کہ کتنی دنیا میں جنگ کے قبل کے خیالات بھول گئے اور کتنی دنیا اب انہیں بھولنے لگی ھے-ھم میں سے بہت کم لوگوں نے اپنے خیالات کی تبدیلیوں کا اندازہ لگایا ھے—

سب سے زیادہ استبدادی واھمے بڑی مشکل کے بعد دلوں سے مٹتے ھیں-(فرانس کی نسبت جس نے بے انتہا آفتیں برداشت کیں اور اپنے خیالات کا ثمرہ پا لیا کسے خیال تھا کہ وہ پھر اُسی دماغی حالت میں مبتلا ھوکر مراکش کے بہادران ریف سے جنگ کریگا؟)—

'روح جنگ' ("دی سول آف دی وار") کا مصنف فلپ گبس اپنی کتاب میں ایک سپاھی کا قول نقل کرتا ھے-اس نے کہا کہ "قذون فوج کی حد ھوگئی-آئندہ ھمیشہ ان آفتوں کے دوبارہ سہنے سے آدمی انکار ھی کرتے رھینگے-اگر مجھے خیال ھو کہ میرا کوئی لڑکا اُن آفتوں میں پڑیگا جو میں کچھہ عرصہ سے سہہ رھا ھوں تو میں اُس کو اِن سے بچانے کے لیے گلا گھونٹ کر مار ڈالوں" لیکن ابھی جنگ کو ختم ھوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا اور فرانس پھر جنگ میں

مضرت ھے - اُس سے اُن زخمہائے کاری کے خیال کو جو 'باشے' اور 'ھن' کے ھاتھوں اُس کے جسم پر لگے تھے بھلا دیا ھے - زور اور حکومت کے مریضوں کو جلد یا دیر کسی نہ کسی قسم کے غمناک حادثہ سے دوچار ھونا پڑتا ھے —

اب چین کی موجودہ حالت پر نظر ڈالیے - کہا جاتا ھے کہ ھمیں اس ملک میں اپنے رعب و داب کو برقرار رکھنا چاھئے - جاپان - امریکہ اور یورپ اس بات پر تلے ھوے ھیں کہ معاملات چین کی غیر جانبدارانہ تحقیق کی بجائے زور و قوت کے مظاھر سے اپنی اخلاقی برتری ثابت کی جائے —

بمبئی کی موجودہ حالت ھی پر نظر ڈالو - وھاں آج کل گرنیوں کے مالکوں اور مزدوروں کے درمیان کشیدگی ھوگئی ھے - گرنیوں کے مالکوں کا اصل مدعا کسب منافع ھے - اُنہیں مزدوروں کی زندگی کی ضروریات کے متعلق کچھہ فکر ھی نہیں - وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ھیں - وہ انصاف چاھتے ھیں لیکن کیسا انصاف! وہ جو قانون رسد و طلب اور تجارت کی موجودہ نازک حالت کا لحاظ رکھے - غرض وہ ھر چیز کا خیال کرنے پر آمادہ ھیں - مگر مزدوروں کی آسائش کا مطلق لحاظ نہیں کرتے - اور اس پر بھی انہیں یہ دعویٰ ھے (اور یہ سراسر غلط خیالی پر مبنی ھے) کہ وہ انسان ھیں - مہذب و رحمدل ھیں - با تمیز شہری ھیں اور عزت و احتشام کے سزاوار ھیں —

لیکن سب سے زیادہ ھولناک اور نفرت انگیز ایک اور بات بھی ھندوستان میں پائی جاتی ھے کہ غربا کو

ان کی ذات کی وجہ سے گلی کوچوں سے گذرنے اور تالابوں اور کنوؤں کے آزادانہ استعمال میں لانے سے روکا جاتا ھے —

کیا یہ تمام حرکات انسانی غلط خیالی کے نتیجے نہیں ھیں؟ کیا واھمے کے ایسے شکار مجنوں نہیں ھوتے؟ اگر اُنہیں پاگل نہیں خیال کیا جاتا تو کیا اسلئے کہ وہ ذی عقل ھیں اور پاگل خانوں کے پاگلوں سے زیادہ ھوشمند؟ نہیں نہیں —

اچھے کو برا برے کو اچھا سمجھے
کتنی یہ بری سمجھ ھے اچھا سمجھے!

ایسا نہیں ھے - اِن جھوٹے دعویداران ھوش وخرد کو ایسے خیالات کی وجہ سے ذی فہم سمجھنا سمجھنے والوں کی سمجھ کا پھیر ھے - والا ھم مانتے ھیں کہ نہ جنون کسی انسان کی عقل سے بیگانہ ھے نہ کوئی دماغ اس کے بعیز ھے مگر ھوش و خرد کے پردے میں پوشیدہ ھونے اور اِس نفرت انگیز ظہور کی وجہ سے اپنی اصلی اور محدود عزت بھی کھودینے کی وجہ سے کارخانہ عالم زبر و زیر ھے —

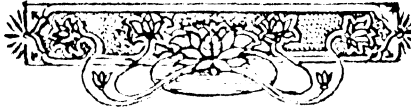
جن جن حضرات کو خاص مراعات حاصل ھیں وہ اسی لئے اپنی نظروں میں آپ نیک اور باخدا نظر آتے ھیں کہ وہ واھمے میں گرفتار ھیں - اس کے سوا اور کوئی دوسری توجیہہ ممکن نہیں ھے —

اگر ھندوستان سے ایسے خیالات دور کیے جا سکتے ھیں تو صرف اس کے بسنے والوں کے متحدہ پاکیزہ خیالات اور حرکات و اعمال حسنہ سے! کیونکہ اگر ھم دنیا کی بری باتوں کو مٹانا چاھتے ھوں تو یہ ضروری ھے کہ ھم اپنے آپ پر

نظر ڈالیں اور خود اپنے التباسات کو اپنے دل و دماغ سے یک قلم دور کریں —

[نوٹ - پاگل خانوں کے پاگل تو زیر معالجہ ھیں مگر یہ مجانین ذی عقل کس مرض کی دوا ھیں ؟ اگر یہ اپنا علاج آپ کریں تو اُن کے دفاتر خیالات اُن کے لئے نسخہائے شفا ھیں ورنہ پروانہ جات قضا ھیں ! ۱۲ مترجم] —

محمد حفیظ الرحمن طالب علم میٹرک



ملک عنبر کے نوکھنڈے سے خطاب

(از جناب محمد عباس صاحب اقدس حیدرآبادی
منشی عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

یادگار عہد ماضی رہگئے ہیں جو کھنڈر
اب بھی اپنی شوکت رفتہ پہ ہیں وہ نوحہ گر
خفتہ ہنگامے ہیں ان کے منظر غمناک میں
دیکھنے کو ان کی ہستی مل گئی ہے خاک میں
نوکھنڈے کے بام و در ہیں سوگوار غم بنے
ہر روش قطرات شبنم گریۂ پیہم بنے
ٹوٹتی پھوٹتی سی کمانیں اور یہ طاق و رواق
کہہ رہے ہیں زایروں کو الوداع و الفراق
نقش فانی جم گیا تصویر دھندلی ہو گئی
چھا گیا ادبار تجھ پر تیری قسمت سو گئی
غلغلہ ہے یاس و حرماں کا ترے آغوش میں
ہے نہاں افسانۂ رنگیں لب خاموش میں
اب کہاں دامن میں وہ رنگینیاں گلزار کی
لوٹتی ہیں خاک پر بیلیں در و دیوار کی

تیری ہستی تھی کبھی رونق فزاے کائنات
جھلملا کر بجھ گئی آخر تری شمع حیات

مکڑیاں تانے ہیں جالے تیری عشرت گاہ میں
ہیں خس و خاشاک کے انبار تیری راہ میں

جاگتے سوتے تری بربادیوں کا غم کریں
جی میں آتا ہے کہ ہم برسوں ترا ماتم کریں

چشم عبرت دیکھ کر حالت تری حیران ہے
پہلے تو آباد ہوگا آج کل ویران ہے

رہنے والوں نے ترے دیکھی تھی شان زندگی
راز دنیا کے بتا! اے رازدان زندگی

ہاے وہ دن جو شبستاں نور سے معمور تھا
ہاے وہ دن جو شبستاں جلوہ گاہ طور تھا

ہن برستا تھا جہاں اب خاک اڑتی ہے وہیں
ایسی بربادی کے افسانے ہیں عبرت آفریں

جس محل کے رہنے والے عیش سے مانوس تھے
جس محل کے دائیں بائیں سیکڑوں فانوس تھے

ان کی تربت کا نشاں اے دیدۂ عبرت نہ پوچھ
اب مجھے تو چھیڑ کر اسلاف کی عظمت نہ پوچھ

رہ گیا ہے جو نشاں وہ خاک سے ہمدوش ہے
ذرہ ذرہ اب یہاں کا محشر خاموش ہے



نظریۂ جبلت کی تردید

سید عسکری حسین متعلم سال دوم ایف عثمانیہ کالج
اورنگ آباد - دکن

اب تک یہ خیال رائج تھا کہ بچوں کی ذہنی ساخت کا بہت بڑا حصہ جبلی ہوتا ہے اور وہ ماں کے پیٹ ہی سے بعض صلاحتیں لئے ہوے پیدا ہوتے ہیں مثلاً خوف، غصہ، عجوبہ پسندی کا میلان، تقلید کا رجحان وغیرہ، اس مضمون میں اس نظریہ کی تردید کی گئی ہے، یہ ناظرین کو تعجب خیز ضرور نظر آے گی، لیکن نئی نہیں ہے۔ اس سے پیشتر بھی اٹھارویں صدی میں فرانس کے مایۂ ناز فلسفی (Rosseau) نے معصومیت اطفال کا نظریہ (Theory of the Unspoilt Child) پیش کیا تھا، جس میں اس نے یہ بتایا تھا کہ بچوں کی خرابی کی ذمہ دار ان کی فطرت، یا توریث نہیں، بلکہ صرف ماحول ہے، ہر بچہ ایک سادے کاغذ کی طرح صاف ذہن لئے ہوے پیدا ہوتا ہے، جتنے نقش و نگار ہوتے ہیں، تعلیم و تربیت کی بدولت ہوتے ہیں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو والدین اور مدرسین کی ذمہ داری پہلے سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے - اڈیٹر)

بچوں کی ابتدائی حالت پر اگر غور کیا جاے تو معلوم ہوتا ھے کہ جب وہ پیدا ھوتے ھیں تو ان میں نہ تو جذبہ محبت ھی ھوتا ھے اور نہ خوف۔ بچہ فطرتاً نہیں بلکہ سیکھ کر ماں سے محبت کرتا ھے۔ پہلے وہ ایک اجنبی سی ھوتی ھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ اجنبی پن غائب ھوتا جاتا ھے۔ کوئی بچہ پیدائشی دھنا (Right Handed) یا کھبا (Left Handed) نہیں ھوتا اور نہ وہ کسی قسم کی ذھانت و راثتاً لاتا ھے۔ اس میں کوئی ایسی شے نہیں ھوتی جس کو ھم باطنی یا "ادنیٰ فطرت" کے نام سے موسوم کریں۔ یہ تمام چیزیں اس کو دنیا میں آنے کے بعد حاصل ھوتی ھیں۔ یہ اکتسابی ھوتی ھیں۔ جس چیز کو عرف عام میں "انسانی فطرت" کہا جاتا ھے اور جس کے متعلق خیال ھے کہ وہ پیدائشی ھوتی ھے جس کے پردے میں ھم اپنی خامیوں اور غلطیوں کو بشریت کہہ کر چھپاتے ھیں وہ ایک لغو خیال ھے۔ ایک نو زائیدہ بچہ ان تمام چیزوں سے مبرا ھوتا ھے۔ غلطی تقاضاے بشیریت نہیں ھے۔ "الانسان مرکب من الخطا والنسیان سے یہ مراد لینا غلطی ھے۔—

ڈاکٹر واٹسن (Watsan) نے ایک ھزار سے زائد بچوں کا مشاھدہ کیا ھے اور جو نتیجہ اس سے برامد ھوا وہ نہایت ھی تعجب خیز ھے۔ لیکن اس نتیجہ سے بھی زیادہ تعجب کے قابل بات یہ ھے کہ اب تک علماے سائنس کا ذھن اس طرف کیوں منتقل نہیں ھوا—

ڈاکٹر واٹسن کا دعویٰ ھے کہ اس قسم کی کوئی شہادت نہیں مل سکتی جو نفسیات دانوں کے اس خیال کو صحیح

ثابت کرے کہ آدمی میں جذبات خوف (عرفی اشکال محبت رشک و رقابت، جنگ جوئی، غصہ وناخوشی، رحم، تجسس، کسی شے پر تصرف، اخذیت، * مرض سرقہ Kleptomania / کھیل - تیزی، تعامل، شرم و حیا، صفائی، تہذیب اور والدین کی محبت وغیرہ پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے - تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اکتسابی ہوتی ہیں نہ کہ فطری - مختصر یہ کہ کوئی بچہ شعور، کیفیات ذہنی، مرکبات ذہنی (Complexes) تخیل، ارادہ وغیرہ ساتھہ لے کر پیدا نہیں ہوتا - یہ تمام خیال ہی خیال ہے —

رنگ

کوئی بچہ بھی کسی خاص قسم کی ذہانت لیکر پیدا نہیں ہوتا - ذہانت کا خیال ہمکو صرف دماغ ہی کے حوالہ سے نہیں کرنا چاہئے - سوچنے کا تعلق تمام جسم سے ہے، اور خاص طور پر خنجرہ سے - کوی ایسا اصول ہمارے پاس نہیں ہے جو یہ ثابت کردے کہ سفید رنگ کے بچے شعور میں کالے، پیلے، بھورے رنگ رکھنے والے بچوں سے بہتر ہوتے ہیں - اور نہ کوئی اصول ایسا ہی ہے جو اس بات کی شہادت دے کہ جو بچے تن‌مارک

---

* بعض لوگوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ باوجود مالدار ہونے کے ان میں ایک قسم کی چوری کی عادت ہوتی ہے کہیں نہ کہیں سے کچھہ نہ کچھہ چھپا کر جیب میں ڈال لیتے ہیں - خواہ وہ ٹوٹے ہوے چینی کے ٹکڑے ہی کیوں نہ ہوں —

اور ڈاروے کے والدین سے پیدا ہوتے ہیں وہ جیگو سلاو۔
سامی، اور یونانی بچوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔
جیسا کہ ڈاکٹر واٹسن کہتے ہیں کہ جب کسی عمر کے
بچہ کو (جسکی پرورش صحیح اصولوں پر کی گئی ہو)
سانپ، مچھلی، اندھیرا، جلتا ہوا کاغذ، بلی، کتا، پرندہ
بندر اور اس قسم کے دوسرے تہیجات سے متہیج کرو تو
اس قسم کا ہیجان کبھی نہ پیدا ہوگا جس کو عرف
عام میں ہم خوف سے منسوب کرتے ہیں اور جو سانس
کا رکنا۔ چیز کی طرف سے پلٹنا، دوڑنا، رینگنا، وغیرہ
کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خوف میں مدد کرنے
والی صرف دو چیزیں ہیں ایک زور کی آواز اور دوسرا
سہارے کا باقی نہ رہنا۔ یہ تمام تہیجات جو ہم کو کسی شے سے باز
رکھتے ہیں جیسے پیچھے ہٹنا کسی شے کی طرف سے پلٹنا وغیرہ
سب سیکھے ہوے ہوتے ہیں —

مذکورۂ بالا بیان ایک روشن شمع کے تجربہ سے اچھی
طرح واضح ہوجائیگا ۔ رکھی ہوئی مٹھائی پر ہاتھ ڈالنے
اور شمع کی لو سے ہاتھ کھینچنے میں جو حرکتیں ہوتی
ہیں وہ ایک ساتھ قائم کی جاتی ہیں ۔ اگر بچہ کی آنکھوں
کے سامنے شمع لائی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہی اشتیاق
کے حرکات جو مٹھائی کے وقت سر زد ہوئے تھے شمع کو دیکھکر
بھی ہو رہے ہیں ۔ شمع کو بچے کے سامنے لیجاتے ہوے
اس کا خیال رہے کہ بچہ کے اتنی قریب نہ لیجائی جائے کہ
وہ اپنے ہاتھ کو جلا لے لیکن اتنا قریب ہونا اس کا ضروری

ھے کہ بچہ ھر کوشش میں اپنے ھاتھہ کو لو کے قریب لاسکے۔ اس سے یہ تہییجات پیدا ھونگے۔ کسی قدر ھاتھہ کی انگلیوں کا بند کرنا، جلدی سے انگلیوں کو بند کرنا۔ انگلیوں کو کھول دینا۔ ھاتھہ کا پھیلانا اور اگر حدت بہت ھی زیادہ ھو تو بازو کھینچ لیا جاتا ھے۔ یہ جملہ حرکات بالکل متھائی والی حرکات کی طرح ھوتی ھیں —

جب بچہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی دفعہ اپنا ھاتھہ جلا لیتا ھے تب کہیں اسے اس کا تجربہ ھوتا ھے کہ لو سے ھاتھہ مس نہ کیا جائے یہ بھی ممکن ھے کہ چند شدید چرکے ھی اس کو تجربہ کرادیں اور زیادہ کی اس کو ضرورت نہ ھو۔ اس مثال سے ھم کو بچہ کے جبلی جوابی حرکات کا علم ھوتا ھے اور یہ اس امر کا بین ثبوت ھے کہ خاص خاص چیزوں کا خوف بچوں میں اکتسابی ھوتا ھے —

ھاتھہ بڑھانے کی جبلی عادت

ایکسو پچاس دن کے بچہ سے لیکر ایک سال عمر والے بچہ پر اضطراری گرفت کے متعلق تجربہ کیا گیا تاکہ یہ معلوم ھوسکے کہ پہلے کونسا ھاتھہ چیزوں کے طرف بڑھایا جاتا ھے۔ اس کے واسطے ایک پیپر منٹ کی چسنی یا شمع استعمال کی گئی۔ ان میں سے ایک چیز اس کے چہرے کے سامنے آھستہ آھستہ لائی گئی تو ھاتھہ بڑھایا گیا - ایک اور شخص اس تجربہ کے دوران میں یہ نوٹ کرتا رھا کہ کونسا ھاتھہ پہلے استعمال ھوتا ھے اور اگر دونوں ھاتھہ استعمال ھوے جیسا کہ اکثر ھوتا ھے تو پہلے کونسے ھاتھہ سے چیز کو مس کیا گیا۔ ان آزمائشوں سے

معلوم ہوا کہ یہ خیال کہ ایک ہاتھ ہی زیادہ تر استعمال کیا جاتا ہے صحیح نہیں ہے۔ گرفت میں داہنے۔ بائیں ہاتھ کی کوئی قید نہیں ہے —

چار ماہ سے ایک سال تک کی عمر والے ایسے بچوں کا امتحان بھی کیا گیا جنہوں نے اب تک کوئی جانور دیکھا ہی نہ تھا —

ایسے امتحان کے لئے بچوں کو ماں یا کھلائی کی گود میں بٹھا دیا گیا اور جیسے ہی وہ چپ ہو گئے اچانک ان کے سامنے ایک زندہ جانور چھوڑ دیا گیا —

ٹی T) (جو ۱۶۵۸ دن کی لڑکی تھی) اس کے سامنے ایک سیاہ پالو بلی کو چھوڑا گیا اور اس بلی کو بچی کے قریب آنے دیا گیا۔ بچی اس کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر جھپٹی، اس نے پہلے اس کی ناک کو چھوا اور پھر اس کے پنجوں سے کھیلنے لگی —

ڈاکٹر واٹسن کا بیان ہے کہ کسی تجربہ میں کسی بچہ میں بھی کسی قسم کا فطری خوف نہیں پایا گیا —



مسرت و نمائش

(از افضل حسین فاروقی متعلم نظام کالج - حیدرآباد)

شاہان یورپ نے یہ ایک طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ ان کی رعایا میں سے جو شخص مستوجب اکرام ہوتا ہے اسے دو گز نیلا فیتہ تحفتاً دیدیتے ہیں' جسے پانے والا اپنے سینہ پر لگاتا ہے - جن لوگوں کی اس طور پر عزت افزائی کی جاتی ہے' وہ "بہادر" کے لقب سے موسوم کئے جاتے ہیں' اور خود بادشاہ ایسے گروہوں کے سردار ہوا کرتے ہیں - اہم خدمات کا اس طرح صلہ دینا بڑی کفایت شعاری ہے - بادشاہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کی رعایا ایسے حقیر انعام سے مطمئن ہو جاتی ہے - اگر کسی امیر کی کسی لڑائی میں ٹانگ ضائع ہو جائے تو بادشاہ دو گز فیتہ اُسے دیدیتا ہے' اور گویا اس کے گم شدہ عضو کی اس طور پر تلافی کر دی جاتی ہے - اگر کوئی شخص اپنی تمام آبائی دولت دوسرے ممالک میں اپنے ملک کی رفعت برقرار رکھنے میں صرف کر دے تو بادشاہ اُسے دو گز فیتہ دے دیتے ہیں جو گویا اُس کے جائداد کے مساوی تصور کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جب تک بادشاہ کے پاس گز بھر نیلا یا سبز فیتہ موجود ہے تو اُسے مدبرین' سپہ سالار اور سپاہیوں کی قلت کا اندیشہ نہیں رہتا ہے ـــ

میں ایسی سلطنتوں کی حسن و خوبی کے سمجھنے سے قاصر ہوں جہاں کے رہنے والے کثیر آبائی جائداد کے باوجود محض خالی خولی الطاف و اکرام کے خاطر حقیقی صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ کوئی شخص جس کے پاس معقول پونجی ہو جب وہ کسی ایسی خدمت کی انجام دہی میں مصروف ہوتا ہے جس سے اس کی عزو جاہ میں اضافہ ہو' تو اسے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بہت کچھہ تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں' اور اس کے مقابلہ میں اسے کوئی ایسی حقیقی خوشی میسر نہیں آتی جس سے وہ پہلے محروم رہا ہو —

درباریوں کے زمرہ میں داخل ہونیسے قبل وہ بفراغت کھاتا۔ سوتا جاگتا تھا خدمت سے مستفیض ہونے کی وجہ سے اُس کی یہ حالت برقرار نہیں رہتی۔ خانگی حیثیت میں بھی خوشامدی اس سے اسی طرح اپٹے رہتے تھے جس طرح بر سر اقتدار ہونے پر' اور اپنے گھر میں اپنی تمام رغبتوں اور خواہشوں کو وہ بلا پس و پیش لوگوں پر آشکارا ہوے بغیر پورا کرسکتا تھا —

جس شخص کے پاس خود دولت موجود ہو اس کی دولت میں کسی قدر اضافہ ہو جانے سے اِسے کیا حقیقی مفاد ہوا۔ کچھہ بھی نہیں کیا کسی امیر کی دولت بڑھنے سے اس کی بھوک بڑھہ جاتی ہے؟ اگر یہ ہے تو اس قسم کی نظیریں بہت کچھہ باعث دلچسپی ہو سکتی ہیں —

کیا ایسا شخص جس کی ایک ہزار کی آمدنی ہو دو ہزار کی آمدنی ہونے پر دو بیویوں کی ہمراہی کا لطف اُٹھا سکتا

ھے یا بجائے ایک گونہ شکم پر ھونے کے دوگونہ شکم پر ھو سکتا ھے ؟ اگر ایسا ھو سکتا ھو تو یقیناً ایسا شخص قابل معافی ھے ' کیونکہ اس طور پر اس کا دائرۂ مسرت وسیع ھو جاتا ھے - لیکن صورت حال یہ ھے کہ بجاے اس کے کہ اس کا دائرۂ مسرت وسیع ھو اس کی مسرت میں انحطاط ھو جاتا ھے - کیونکہ وہ اس کی توسیع کے خیال سے تکالیف برداشت کرنے پر مجبور ھوتا ھے ' اور جیون جیون دولت میں اضافہ ھوتا جاتا ھے ' حصول مسرت کی صلاحیت اسمیں سے مفقود ھوتی جاتی ھے —

بجاے اس کے کہ بڑے آدمیوں پر رشک کیا جاے ' مجھے تو ان پر ایک طور پر ترس آتا ھے - میں اُنھیں نیک نھاد گمراہ اشخاص متصور کرتا ھوں - اپنی تمام مسرتوں کے لئے جن سے وہ بہرہ اندوز ھوتے ھیں وہ خود اپنے نہیں بلکہ ھمارے ممنون اور رھین منت ھیں - وہ اپنے لئے نہیں بلکہ ھمارے لئے لباس فاخرہ کا بار اُتھاتے ھیں - ھماری خوشی کے لئے وہ لوازمہ سے آراستہ رھتے ھیں جو بڑے تزک و احتشام سے ان کے جلو میں رھتے ھیں - بڑے بڑے نازک دماغ شخص کے لئے اچکن اور ایک ملازم اس کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی ھے - جن لوگوں کے پاس سنیکڑوں کی تعداد میں ملبوسات و ملازمین ھیں - وہ صرف ایک کو اپنے آرام کے لئے اور باقی ۹۹ کو ھماری مسرت افزائی کے لئے رکھتے ھیں - کنفیوشیس (Confucius) کا یہ مقولہ کس قدر صحیح ھے کہ ھم بجاے اس کے کہ خود اپنے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی کوشش کریں کہ ھم مسرور

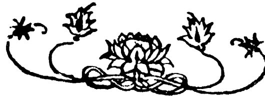
هیں دوسروں کو اپنی مسرت کا یقین دلانے کے لئے تمام تکالیف برداشت کرتے ہیں —

اسطرح کی نمائش کا لوگوں میں چرچہ ہونے اور اپنے رتبہ کی وقعت بر قرار رکھنے کی خواہش گو جاہ طلب اشخاص کے لئے باعث تکالیف ہو لیکن سوسائیٹی کے لئے یہ امر مناسب ہے کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آرام و اطمینان کو خطرہ اور گز بھر فیتہ پر نثار کرتے ہیں ۔ ان کی خود نمائی سے ہمارا کچھہ نہیں بگڑتا، کسی بچہ کو اس کے کھلونے سے محروم رکھنا بھلا کب زیبا ہے؟ اگر کوئی تزوک یا تچز اپنے جلو میں آدمیوں کی قطاریں رکھنا پسند کرے، تو خود اس کے لئے یہ ایک بلا ہے - اگر وہ عام گذر گاہوں پر سینکڑوں حاشیہ بردار ہماری مسرت افزائی کی غرض سے لئے پھریں تو یہ ان کے لئے کیا کم مصیبت ہے - صرف تماشائی ہی مسرت اندوز ہوتے اور مسرت پہنچاتے ہیں حاشیہ بردار اور جلوس کے شایق ان کے بار میں دبے رہتے ہیں —

ایک چینی عہدہ دار کی جس کو اس بات پر بڑا ناز تھا کہ اس کے تمام لباس میں جواہرات ٹکے ہیں، راستہ میں ایک پجاری سے مڈبھیڑ ہوی - پجاری تمام گلی کوچوں میں اس کے ساتھہ ساتھہ پھرتا رہا، اور راستہ بھر اس کی تعظیم کرتا اور اس کے جواہرات کا شکریہ ادا کرتا رہا - چینی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "اے دوست میں نے تو کوئی جواہر تجھے نہیں دئے پھر اس حرکت سے کیا مطلب ہے" پوجاری نے کہا تم نے جواہر تو نہیں دئے لیکن مجھے ان کے دیکھنے

کا موقع دیا - ہم میں تم میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ تمہیں ان کی حفاظت کی زحمت گوارا کرنا پڑتی ہے اور مجھے اس خدمت کے انجام دینے کی مطلقاً خواہش نہیں —

(گولڈا سمتھہ)



من کی موج

(۲)

(ہم گزشتہ نمبر میں اپنے من-موجی دوست کا تعارف ناظرین نورس سے کرا چکے ہیں، پہلی موج میں انہوں نے اسماے صفات کے متعلق اظہار خیال فرمایا تھا، اس دوسری موج میں دنیا کے نئے پرانے معیاروں کا ذکر ہے، وہ شکایت کرتے ہیں کہ ایک طرف تو لوگ ''دور نو'' اور ''عصر جدید'' کا شور مچاتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے پرانے معیاروں کو نہیں بدلتے، ہم اس کے متعلق اپنی ذاتی راے محفوظ رکھتے ہیں، اعتراض و تنقید کا موقع تو وہاں ہے جہاں فکر رہنما ہو، لیکن من کی موج ارسطو اور مل کے منطقی قوانین کی پابند نہیں ہو سکتی، اگر ہمارے من-موجی دوست اجازت دیں تو ہم ان کو ایک گُر کی بات بتائیں اور وہ یہ ہے کہ حق بات کڑوی ضرور ہوتی ہے، لیکن ہر کڑوی بات حق نہیں ہوا کرتی - اڈیٹر)

''دنیا بدل رہی ہے''!

کل اتفاقاً یہ الفاظ مجھے سنائی دئے، میں حسب دستور

اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا، سامنے ایک نئی عمارت بن رہی ہے، مزدوروں نے لکڑی اور بانس کا ایک بڑا اونچا مچان بنایا ہے، دو دو تین تین بھاری پتھر سر پر رکھے ہوئے اس مچان پر چڑھ رہے تھے - میں انہیں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا .... میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس مکان، اس مچان اور ان مزدوروں کی طرح ہم سب اس سنسار میں اپنی بلندی دوسروں کی بلندی کے لئے بناتے ہیں...... کیا آتش بازی کی ہوائی کی طرح ہم سب محض اس لئے اوپر اُڑتے ہیں کہ دوسرے خوش ہوں .... اتنے میں یہ الفاظ میرے کان میں پڑے :—

"دنیا بدل رہی ہے"

میں نے مڑ کر دیکھا، میرا دوست ہاتھ میں ایک اخبار لئے ہوئے کھڑا تھا، آنکھوں میں چمک، ہونٹوں پر ویسی ہی ہنسی جیسی بالک سپنے میں ہنستے ہیں —— کہنے لگا :- "جانتے ہو یہ کیا بن رہا ہے؟ یہاں بے تار کی خبر رسانی کا اسٹیشن ہو گا، ولایت کے گانے، امریکہ کی تقریریں یہاں سنائی دیں گی - دنیا بدل رہی ہے" —

مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی - میں جب کبھی "بیسویں صدی" "نیا زمانہ" "نئی دنیا" "نئے خیالات" اور اسی سانچے کے ڈھالے ہوئے دوسرے الفاظ سنتا ہوں تو بے اختیار ہنس دیتا ہوں، میں نے جواب دیا — "ہاں! پرانی آتما نیا روپ لے رہی ہے، پرانے چھلکے پر نیا چھلکا

نکل رہا ہے، لیکن گودا وہی ہے جو ویدوں کے زمانے سے پہلے تھا" میرے دوست نے اپنی عادت کے موافق بڑے زور سے قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔ "تم نے تو دنیا کو تج دیا ہے، جگ کے الٹ پھیر تم کیا جانو! کل صبح زبردستی تم کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ تب تم کو معلوم ہوگا کہ ہماری دھرتی کروٹ لے رہی ہے یا نہیں" یہ کہا اور ہنستا ہوا چلا گیا—

میں دور تک اسے دیکھتا رہا۔ کیسے بے فکر اور بھولے لوگ ہیں، ایک جیب میں ولایتی سونا ہے، دوسری میں دیسی کسوٹی، اُسے اِس پر کستے ہیں، زرد لکیر دیکھ کر اُسے کُندن سمجھتے ہیں...... اصلی بدلنا تو کسوٹی کا ہے!

میں پھر مکان، مچان اور مزدوروں کی دھن میں لگ گیا، یہ دو ہاتھ دو پاؤں کے پتلے اُسی طرح اپنی ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ نیچے سے اوپر لے جارہے تھے.......

آج میرا دوست مجھے شہر میں ادھر اُدھر پھراتا رہا۔ اس نے مجھے نئی نئی عمارتیں دکھائیں، پرانے اینٹ پتھر کے نئے استھان! پرانی آتما کے نئے روپ!! "یہ نئی سڑک ہے، اس پر ٹرام چلے گی"۔۔۔۔ "یہ نیا بنک گھر ہے"۔۔۔۔۔ "یہ نئی دکان ہے"۔۔۔۔۔۔ "یہ نئے قسم کا مدرسہ ہے"۔ خدا معلوم کیا کیا بتاتا رہا اور باتیں کرتا رہا، وہ بہت خوش تھا، جیسے لڑکیاں ہنس ہنس کر اپنی سہیلیوں سکھیوں کو پرانی گڑیوں کے نئے زیور دکھاتی ہیں۔! میں نے کوئی جواب نہیں دیا، کانوں میں اس کی آواز آرہی تھی، لیکن اندر والا گھڑی

کی "ٹک ٹک" کی طرح برابر یہی کہہ رہا تھا.... اصلی بدلنا تو کسوٹی کا ہے! جب ٹرک گیا تو کہنے لگا۔ "اب قائل ہوئے کہ نہیں! شانتی پور بدل رہا ہے۔ دنیا بدل رہی ہے" میں ٹھنڈی سانس بھر کے چپ ہو گیا —

سامنے ایک حلوائی کی دوکان تھی۔ ترازو ہاتھ میں لئے ہوئے کچھ تول رہا تھا۔ میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں لے گیا، حلوائی سے کہا:

"لالہ! دنیا بدل رہی ہے، تم اپنے بانٹ بدل دو" ہنسنے لگا۔ کہا "ہمارے یہاں اسی کا چلن ہے، گاہک نہیں مانتے"....

پھر ایک بزاز کے یہاں گئے۔ کپڑا ناپ رہا تھا، میں نے کہا "اپنا گز نہیں بدلتے" اس نے منہ پھیر لیا.. ...

راستہ میں ایک سپاہی ملا، اس کے ساتھ ایک بھلا مانس تھا، ہاتھ میں ہتکڑی، آنکھوں میں شرافت! میں نے کہا "جمعدار صاحب! اسے کیوں پکڑا ہے" کہنے لگا:

"اس نے ایک دوکان سے اپنے بچوں کے لئے آٹا چرایا ہے" میں نے: "کیا دنیا نے چوری کا معیار ابھی نہیں بدلا...... وہ مجھے گھورتا ہوا چلا گیا —

سچا بول اندرا بن کا پھول ہوتا ہے

تھوڑی دور چل کر ایک مکان میں پہونچے، ایک لکڑی کے تختے پر بڑے موٹے حرفوں میں لکھا ہوا تھا "سیٹھ اشرفی مل کا پن خانہ" ہزاروں اپاہج اور نکمے جمع تھے،

زبردستی کے اپاہج! کام کے نکمے!! میں نے داروغہ سے پوچھا۔ "بھائی انہیں خیرات کیوں دیتے ہیں؟" کہنے لگا۔ "نیک کام ہے، سیٹھ کی دیا معلوم ہوتی ہے، فیاضی ہے" نیک کام! دیا! فیاضی! سب وہی پرانے سانچے! کیا واقعی دنیا بدل رہی ہے......

پرانے باٹ، پرانا گز! پرانا قانونی معیار! پرانا اخلاقی معیار! دنیا میں ہر طرف وہی پرانی کسوٹی! اور اندر سے آتما کی وہی پرانی ٹک ٹک......"اصلی بدلنا کسوٹی کا ہے"! میں نے اپنے دوست کی طرف غور سے دیکھا۔ کیا دنیا بدل رہی ہے! اس نے آہستہ سے کہا "معلوم ہوگیا۔ اب لوٹ چلو"

دھرتی آئے دن نیا سونا اُگلتی ہے۔ سنسار اپنا روپ نت نیا بدلتا ہے، پرانے باٹ گھس گئے۔ پرانے گز چھوٹے ہوگئے۔ بہت سے پرانے جرم ہلکے ہوگئے، پرانی نیکیاں بدیاں، اور پرانی بدیاں نیکیاں ہوگئیں، پرانے معیار، پرانی کسوٹیاں آج کام کی نہیں رہیں، پھر دنیا، انہیں کیوں نہیں بدلتی! ست جگ کے ست کو کلجگ میں بھی ست کیوں جانتی ہے! ایک پن خانہ قائم کرکے دس کی بنیاد کیوں رکھتی ہے۔ آج سانپ کی رکھشا کرنے کل نیولا کیوں پالتی ہے۔------ نئے کندن کے لئے نئی کسوٹی کیوں نہیں ڈھونڈھتی۔ وہی حلوائی کی بات:—

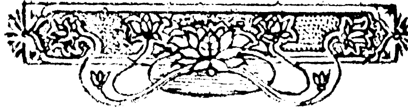
گاہک نہیں مانتے ......

اب میرا درست "دھرتی کی کورت" کا قایل نہیں رہا' میں اس سے کبھی کبھی مذاق میں پوچھتا ہوں ----" دنیا کب بدلیگی"؟ اس سوال کو سنکر اس کی حالت بدل جاتی ہے' آنکھیں پھیل کر ایسی ہو جاتی ہیں جیسے کوئی شام کے دھند لکے میں دور کی چیز دیکھہ رہا ہو' وہ بہت دھیمی آواز سے جواب دیتا ہے —

"جب گاہک مانیں گے!"

باقی آئندہ

ن - موجی



ہندوستان کی سب سے پہلی کرنسی کمیٹی سنہ ۱۷۸۷ عیسوی

(ایس -ایم جگتاب و مرتضی خاں متعلمین سال دوم عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن)

چند ماہ قبل ایک رایل کرنسی کمیشن حکومت ہند کی طرف سے ہندوستانی زر کے متعلق مقرر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں اگر سب سے پہلے ہندوستانی کرنسی کمیشن کے متعلق کچھہ لکھا جائے تو وہ صرف تاریخی نقطۂ نگاہ سے اہم ہی نہیں بلکہ دلچسپ بھی ہوگا—

مہروں پر بٹہ سنہ ۱۷۶۶ء سے جو دو فلزی طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ صرف کلکتہ کی حدتک محدود تھا- مہریں ایک غیر متعین شرح پر گردش کرتی تھیں - اس شرح کا انحصار بازار کے سونے اور چاندی کے نرخ پر تھا- اور تقریباً (۱۶ سال تک یعنے سنہ ۱۷۶۹ء سے سنہ ۱۷۸۵ء تک اس نرخ میں کوئی زیادہ اضافہ واقع نہیں ہوا- لیکن سر جان شور صاحب کی سنہ ۱۷۹۶ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۷۸۶ کے آغاز میں مہروں پر بٹہ کے اضافے کی شکایتیں شروع ہوئیں اور کلکتہ میں مہروں کا اضافہ ہونے لگا- چنانچہ لوگوں

نے ان کو ضرورت سے زیادہ مقدار میں اپنے خانگی اغراض کے لئے جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ماہ اگست سنہ ۱۷۸۸ ع میں ایک مہر کی قیمت (۳) روپیہ تک پہونچ گئی۔ جو اسی سال ماہ مارچ میں صرف ۔ آنے تھی —

انعقاد کمیٹی - ستمبر سنہ ۱۷۸۷ع میں لارڈ کارنوالس نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی کہ وہ چاندی کے سکون کی کمی اور بٹہ کے اضافے کے اسباب دریافت کرے اور اصلاحی تجاویز پیش کرے —

ممبران کمیٹی | اس کمیٹی کے کل ۹ ممبر تھے :— هربرٹ هیرس؛ رچرڈ جان سن؛ سی کوک ریل؛ جان برگ؛ ولیم هارڈنگ؛ اور لمبرٹ جو غالباً سکریٹری تھا - زیادہ تر اس کمیٹی میں سرکاری افسرون کی تعداد تھی لیکن پھر بھی یورپی سوداگرون کی کافی نمایندگی تھی؛ کیوں کہ اس زمانہ میں کمپنی کے ملازم تاجر بھی هوا کرتے تھے - چنانچہ هیرس وغیرہ جیسے اشخاص تجارت میں مشغول تھے - اس کمیٹی نے تاجرون کی نمایندگی بالکل اسی طرح کی جیسے کہ زمانہ حال کا رائل کرنسی کمیشن ہے؛ آج اتنا اضافہ اور ہے کہ ایک معاشیات داں؛ چند هندوستانی تاجر اور چند غیر ملکی ماهرین بھی کمیشن میں شریک هیں —

اُس زمانے میں مسئلہ زر Currency اس قدر اهمیت نہ رکھتا تھا جیسے آج کل - چنانچہ کمیٹی نے اپنا کام صرف (۲ ماہ کے اندر هی ختم کرلیا اور ایک جلسہ اس کے قیام کے دو روز بعد هی منعقد هوا - اور بعد ازاں هفتہ واری جلسے هونے لگے

اس کمیٹی کے کل آٹھ جاسے ہوے - کمیٹی نے اپنی رپورٹ کے ساتھ ایک معذرت نامہ بھی داخل کیا کہ وہ اپنے مفروضہ فرائض کو پوری طور سے انجام نہ دے سکی لیکن اس پر بھی اس کی رپورٹ ۳۰ صفحوں سے کم نہ تھی —

کمیٹی نے (۵) پانچ گماشتوں کی شہادتیں لیں جن میں تین مارواڑی ساہوکار اور دو بنگالی صراف تھے - اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنگالیوں میں اس زمانہ میں زیادہ ساہوکار نہ تھے - شہادتوں کے سننے کا طریقہ بالکل سادہ تھے' آج کل کی طرح کوئی طویل تحریری شہادت پیش نہ کی گئی - موہانند (جو گوپال داس کا گماشتہ تھا) شہادت سب سے پہلے لی گئی اس نے حسب ذیل شہادت دی :-

۱ - سوال مہروں پر بٹہ لگانے کا کیا سبب ہے؟
۱ - جواب چاندی کے سکوں کی طلب میں اضافہ —
۲ - س کن کن مقامات میں "سکہ روپیہ" روانہ کیا جاتا ہے ؟ —
۲ - ج ہر جگہ جہاں خرید ہوتی ہے —
۳ - س کیا ڈھاکہ میں صرف ارکاٹی روپیہ نہیں چلتا ہے؟ -
۳ - ج کلکتہ سے (۱۹) لاکھ "سورتی سکہ کا روپیہ" ڈھاکہ کو روانہ کیا گیا ہے —
۴ - س گذشتہ سال چاندی کے سکوں پر بٹہ کیوں نہیں لگایا گیا ؟ —
۴ - ج اس وجہ سے کہ ان کی تعداد کافی تھی —
۵ - س اس کی کیا وجہ ؟ —

٥-ج یہ میں کیسے کہہ سکتا هوں:—

٦-س کیا تم نے کسی وقت اس کمی کے اسباب پر غور کیا؟

٦-ج میں نے اس مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا!

٧-س یہ کمی اس وجہ سے تو واقع نہیں هوتی هے کہ لوگوں نے اپنی خانگی اغراض کے خاطر روپیہ جمع کر رکھا هے؟—

٧-ج صراف تو ایسا نہیں کرتے-اور میں دوسروں کے متعلق کچھہ نہیں کہہ سکتا—

٨-س کیا تم نے کبھی چاندی کے سکوں کی خرید اور فروخت کی هے،

٨-ج میں نے کبھی ایسا نہیں کیا-میں صرف هنڈی کا بیوپار کرتا هوں!—

٩-س وہ کون لوگ هیں جو چاندی کے سکوں کا بیوپار کرتے هیں؟—

٩-ج وہ بنگالی بازاری صراف هیں—

دوسرے گواہ کا بیان

اس کے بعد دوسرا گواہ نیمی چرن، جو سیو رام پال کا گماشتہ اور بنگالی بازاری صرافوں کا نمایندہ تھا، پیش کیا گیا-اور اس نے فطرتاً یہ الزام بڑے بڑے مارواڑی صرافوں کے سر لگایا-اس گواہ نے اپنی شہادت میں متضاد بیانات دئیے، مثلاً اس نے بٹہ کی وجہ یہ بتلائی کہ نیا سکہ نہیں بنا لیکن جب پوچھا گیا کہ کیا سکہ سازی کی غرض سے چاندی داخل کی گئی تو کوئی جواب نہ دے سکا-پھر اس پر حسب ذیل

جرح ہوئی—

۱ — س اس سال چاندی کی مقدار میں کمی کیوں واقع ہوئی؟—

۱ — ج کیوں کہ گذشتہ سال وہ زیادہ مقدار میں تھی۔ میں صرف ایک معمولی بیوپاری ہوں اور بڑے بڑے بیوپاریوں سے خرید کیا کرتا ہوں—

۲ — س وہ بڑے بڑے بیوپاری کون ہیں؟—

۲ — ج گوپال داس، نند رام بیدی ناتھہ، سامبر و ناتھہ، ارجن جی نالگی—

۳ — س وہ چاندی کے روپئے کس طرح حاصل کرتے ہیں؟—

۳ — ج یہ مجھکو معلوم نہیں—اس شاهد نے روپیوں کی کمی کا باعث رسد کی کمی کو قرار دیا اور روپیہ کے جمع کئے جانے کے متعلق تجاهل سے کام لیا۔ لیکن دبی زبان سے یہ کہا کہ "میں اتنا ضرور کہوں گا کہ چاندی کی رسد کے مقابلہ میں طلب بہت زیادہ ہے"—

باقی ماندہ دو گواہوں ہری پرشاد اور کونائے سیل (گماشتگان بلول داس اور نلمر سیل) کے بیانات بھی اسی قسم کے تھے۔ یہ شہادتیں بالکل غیر تشفی بخش تھیں۔ کمیٹی مذکورۂ بالا اشخاص سے یہ اقرار کروانا چاہتی تھی کہ چاندی کی کمی کا باعث اس کا جمع کیا جانا ہے اور اس غرض سے کمیٹی نے گماشتوں سے آسان سوالات کئے۔ لیکن گماشتوں نے نمک حلالی سے کام لیکر چاندی کی کمی کو اس سبب کی طرف منسوب

ھی نہ کیا- ان کے بیانات سے اصلی مسئلہ کی کچھہ بھی وضاحت نہوسکی' —

سونے کی غیر ھر دلعزیزی- کمیٹی نے زیر بحث مسئلہ پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث کی- اس نے پہلے مہروں کے ھر دلعزیز نہونے کے وجوھات تشریح سے بیان کیں- انہوں نے بتلایا کہ طلائی مہروں کی قیمت کی زیادتی (تقریباً ۳۶ شلنگ) انھیں کلکتہ کے باھر وسیع حصۂ ملک میں مروج نہیں ھونے دیتی- اس میں کوئی شک نہیں کہ مہریں ڈھاکہ' مرشدآباد' پٹنہ' اور بنارس میں چلتی ھیں لیکن یہ سب ملا کر بھی شہر کلکتہ کی کل مہروں کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی زیادہ نہیں- اس طرح کسی سکہ کا کسی خاص مقام میں جمع ھو جانا اس سکہ کی کثرت کا باعث ھوگا اور زر کاغذی کی گردش سے اس پریسیڈنسی کی زر کی مجموعی مقدار میں اور اضافہ ھو جاتا ھے- اس کے علاوہ ڈیڑھ کروڑ سرٹیفکٹ اور اسی قدر تمسکات بینک نوٹ وغیرہ کے علاوہ شہر میں رائج ھیں- اور زر کی اس کثرت کا وھی نتیجہ ھوگا جو خود سونے کی مقدار کی زیادتی کا ھوتا' —

ھم دیکھتے ھیں کہ یہاں پر مسئلہ مقدار زر سے بحث کی گئی ھے لیکن مبہم ھے —

چاندی کی ھر دلعزیزی- بعد ازاں کمیٹی اس مسئلہ پر بحث کرنے لگی ''چاندی کی زیادتی کی کیا وجہ ھے'' اس سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ مہروں پر بٹہ کے کٹنے اور چاندی پر اس کے ملنے کو علیحدہ علیحدہ چیزیں سمجھتی تھی اس کی

رائے میں کمی کی وجہ' سنہ ۱۷۵۷ ع سے اس کی درآمد کا کم اور برآمد کا زیادہ ہونا ہے کیونکہ چاندی دوسری پریسیڈنسیوں اور چین کو روانہ کیجاتی ہے-اور ضرور ہے کہ اس کی وجہ سے خود بنگال میں سونے اور چاندی کی نسبت ہیں مستقلاً تبدیلی پیدا ہو-لیکن کمیٹی سنہ ۱۷۸۷ ع میں مہروں پر بٹہ میں یکایک زیادتی ہونے کی وجہ بتلا نہ سکی-کمیٹی نے اس زیادتی کو ان ہنڈیوں کے کثیر استعمال سے منسوب کیا جو کلکتہ میں مالگزاری کی ادائی کے لئے استعمال ہوتی تھیں- لیکن "کلکتہ میں نقرئی سکہ کی کمی کا باعث (جو غالباً اپنی اہمیت کے اعتبار سے مذکورۂ صدر وجوہ سے کم نہیں ہے) شاید یہ ہوکہ سونے کے سکہ کی قیمت چاندی کے سکہ کی قیمت کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ ہے"—

سفارشات - کمیٹی نے مذکورہ بالا معلومات کی بناء پر حسب ذیل اہم سفارشیں کی ہیں:-

۱ - "جس قدر روپیہ گورنمنٹ کے ہاتھہ آئے' اٹھنی اور چونی جاری ہو-اور انگریزی معیار کی طرح اس میں بھی بھرت ملائی جائے'—

۲ - انفرادی طور پر سکہ سازی کی فیس نہ لی جاے—

۳ - اسی طرح سونے کی مہروں کو آدھے' پاؤ' آٹھویں حصوں میں تقسیم در تقسیم کیا جاے-لیکن موجودہ معیار میں کوئی فرق نہ آنے پاے—

۴ - ان صرافوں کو سخت سزا دی جاے جو جدید مضروب طلائی مہر کے معاوضہ میں جدید (۱۶) روپیہ سے کم دیں —

٥ - سونے اور چاندی کے سکوں کی قیمت میں وهی تناسب رکھا جاوے جو هندوستان میں سونے اور چاندی کی قیمت میں پایا جاے'—

کاکرل کی مخالفانه رائے کا خلاصه - کاکرل نے کمیٹی کی رپورٹ پر اپنا ایک حاشیه لگایا جس میں اس نے کمیٹی کی راے سے حسب ذیل وجوہ پر اختلاف کیا :-

(۱) که چاندی پر بٹه کا باعث مالگزاري کی ادائی کی هنڈیوں کا کثیر تعداد میں هونا هے—

(۲) دفعتاً بڑي مقدار میں یکایک نوٹس کا رائج هونا بهی اس کا سبب هے- جنرل بینک قرض دینے کے لئے ضمانتیں طلب کرتے هیں اور اس طرح هندوستانیوں کے سامنے ایک بری مثال پیش کی جاتی هے جس کی وجه سے عام ساکهه کو بهت صدمه پهونچتا هے—

(۳) دستاویزات وغیرہ کا اجرا سنه ۱۷۸۷ ع میں هوا نه که سنه ۱۷۸٦ ع میں اور سرٹیفکٹ کا اجرا بٹه کا باعث نه تها—

کمیٹی کی طرف سے اس کی تردید

اس کا کمیٹی کے بهت سے ممبروں نے اس طرح جواب دیا که جهاں تک کاکرل کے پهلے اعتراض کا تعلق هے تو وہ فی الحقیقت چاندي کی گرانی کی ایک بڑی وجه تهی اور تیسری وجه کو تو خود کمیٹی تسلیم کرچکی هے دوسرے اعتراض کے متعلق انهوں نے یه حجت پیش کی که بیانک نوٹس تقریباً (۱۲) لاکهه کی مالیت کے رائج هیں اور یه مقدار ایک خاص

قسم کے زر نقد میں پوری طور سے کمی پیدا نہیں کرسکتی- انگلستان میں، جہاں بینک نوٹس کثیر تعداد میں رائج ہیں، کسی شخص نے چاندی کی عارضی کمی کو اس واقعہ سے منسوب کرنیکا خیال نہ کیا" کمیٹی کے بہت سے ممبروں نے یہ بھی حجت پیش کی کہ بیانک کا ضمانتی قرضہ دینے کا طریقہ بھی کوئی عجیب طریقہ نہ تھا اور نہ ھی اس سے "کوئی ایسی نظیر قائم ھوئی جو عام ساکھ کے لئے مضر ھوتی اور نہ قرض کا یہ طریقہ کسی دوسرے بیانک میں عام اعتبار کی کمی کا باعث ھوا"—

معاشئین کے لئے رپورت دلچسپ ھے

یہ ممکن نہیں کہ اس مختصر مضمون میں رپورت کے بہت سے دلچسپ حصوں کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاے- البتہ یہاں ایک اھم واقعہ کی طرف مکرر اشارہ کیا جاتا ھے-اس رپورت میں Adam Smith صاحب کی Wealth of Nations کا حوالہ دیا گیا ھے اور مذکورۂ بالا بحثوں کے پڑھنے سے یہ صاف طور پر معلوم ھوتا ھے کہ کمیٹی کے ممبر معاشیات کے ان اصولوں سے واقف تھے جو اس وقت انگلستان میں پھیلے ھوے تھے-میں نے پہلے قدر زر کے اس نظریہ کی طرف اشارہ کیا ھے جو رپورت میں پیش کیا گیا ھے اسی طرح سے بنگال میں محصول نمک کے بار کے متعلق بھی ایک نہایت دلچسپ بحث اُٹھائی گئی ھے اس طرح یہ رپورت معاشیات کے طالب علموں کے لئے خاصی دلچسپ ھے - اگرچہ اس کی قدر و منزلت

(۱۳۸) برس گزر جانے کی وجہ سے کم ھوگئی ھے' باین
ھمہ یہ ظاھر ھے کہ سنہ ۱۷۸۷ع کی کرنسی کمیٹی نے
اسی قسم کے مسئلہ پر جو موجودہ رایل کمیشن کے زیر
غور ھے' بحث کی تھی - کمیٹی نے سفارش کی تھی
کہ طلائی سکہ اور چاندی کے روپیہ کا قدیم تناسب روپیہ
میں بھرت کا اضافہ کر کے قائم رکھا جاوے - اسی طریقہ
کو سر دادی با دلال نے اپنی minority رپورٹ میں
Bapington Smith Comittee کے سامنے پیش کیا تھا-سنہ۱۷۸۷
کی کرنسی کمیٹی کی طرح موجودہ رایل کمیشن کو یہ
تصفیہ کرنا ھوگا کہ سونے کے ساورن اور چاندی کے روپیہ
کی شرح مبادلہ کیا رھے اور ان کی سرکاری اور بازاری
قیمت کا تفاوت دور کرنا پڑیگا - کمیٹی کے ملازمین محض
تاجر نہ تھے برطانوی نظم حکومت کے طالب علم کو ۱۷۸۷ع
کی کمیٹی کی رپورٹ کے مطالعہ سے ایک فائدہ اور ھوگا -
اس سے معلوم ھوگا کہ کمیٹیوں کے ذریعہ تحقیقات کا
طریقہ ابتدائی حکومت میں بھی' بالکل وھی تھا - جو
آج کل ھے - سنہ ۱۷۸۸ع میں کرنسی کمیٹی کے بھی صدر
اور سکریٹری تھے کمیٹی نے سوال بند بھی مرتب کیا تھا
گواھوں پر جرح بھی ھوتی تھی یاد داشتیں بھی طلب
کی گئی تھیں اور اعتراضی نوٹ بھی شریک کیا
جا چکا ھے - اس ملک کے ابتدائی برطانوی عہدہ داروں کے
متعلق عام رائے یہ ھے کہ وہ محض نا خواندہ قسمت آزما
لوگ تھے جو اس ملک میں صرف " سونے کا درخت "

ھلانے کے لئے آئے تھے - سنہ ۱۷۸۷ ع کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ھے کہ عام طور پر ایسی رائے کا قائم کرنا قرین انصاف نہیں ھے- کہ جان کمپنی کے بعض ملازمین اس قدیم زمانے میں بھی مشہور انگریزی معاشیات دانوں کی تصنیفات پڑھتے تھے اور ان کے نظریوں کا استعمال اس ملک کے معاشی مسائل کے حل میں کیا کرتے تھے -



اخبار علمیہ

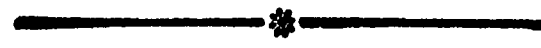
اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ برطانیہ کی طرح چین کو بھی ایک "ان سائکلو پیڈیا" کی ترتیب کا شرف حاصل ہے' یہہ زبردست تالیف سنہ ۱۷۷۲ میں مکمل ہوچکی تھی' لیکن اب تک اس کی طباعت کا تصفیہ نہوا تھا یہ ۳۶۰۰۰ مجلدات پر مشتمل ہے' یہ جلدیں اب تک ایک شاندار دومنزلہ عمارت میں بحفاظت تمام رکھی رہیں اور اب شنگھای کا کمرشیل پریس انہیں چھاپے گا ناظرین کو اس تالیف کی ضخامت کا اندزہ اس سے ہوگا کہ ہر مجلد ۱۸ × ۱۲ سائز کا ہے' اور یہ ایک اسپیشل ترین کے ذریعہ پیکنگ سے شنگھائی پہنچائي جائین گی' اس کی طباعت کے لئے ۱۰ سال کی ضرورت ہوگی' اس کے تیس بڑے ست بحساب تیس ہزار روپیہ فی ست اور چھوٹے بحساب دو ہزار روپیہ فی ست تیار ہونگے۔

کیا ہماری زبان اس قسم کی تالیف کا کوئی خواب دیکھہ سکتی ہے؟ -



کان کنی اب تک قسمت کا کھیل سمجھا جاتا تھا۔

اور بہت کچھہ صرفے اور محنت کے بعد بھی دھاتوں کا دستیاب ھونا مقدر یا اتفاق پر منحصر تھا' لیکن اب ایسے آلے بنائے گئے ھیں جن کی مدد سے انسان بغیر زمین کھودے ھوے معدنیات کی موجودگی یا عدم موجودگی کا پتہ لگا سکتا ھے چنانچہ امریکہ کی تیل اور کان کنی کی اکثر کمپنیاں ان آلوں کو کامیابی کے ساتھہ استعمال کر چکی ھیں-



تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اب تک دست کاری کشیدہ کاری' خانہ داری رغیرہ کے مدرسوں کا حال سننے میں آتا تھا' لیکن حال میں بوسٹن (امریکہ) کے نسوانی کالج میں ایک نیا شعبہ بیویوں کی تعلیم کے لئے کھولا گیا ھے - اس میں لڑکیوں کو آئندہ ازدواجی زندگی کے متعلق تعلیم دي جائیگی اس کا نام شعبۂ محبت ونکاح ھے مدرسے کی طرح' نصاب تعلیم بھی کچھہ کم دلچسپ نہیں ھے' بوسٹن یونیورسٹی کے اساتذہ اپنا کچھہ وقت اس شعبہ کو بھی دیتے ھیں مثلاً نفسیات کا پروفیسر' نو جوان خواتین کو مردوں کی نفسیاتی خصوصیات سے آگاہ کرتا ھے' اور عورتوں اور مردوں میں جو ذھنی اور نفسی اختلاف پایا جاتا ھے- اسی طرح سے حساب کا پروفیسر خانہ داري پڑھاتا ھے اس سے آگاہ کرتا ھے- معاشیات کا پروفیسر طالبات کو امریکی خاندانوں کی معاشی زندگی کے مختلف پہلو بتاتا ھے اورعمرانیات (Sociology) کا پروفیسر صنف قوی و نازک کا باھمی تعلق' عورتوں کے حقوق ان کی ملازمت وغیرہ کے متعلق

درس دیتا ھے۔ شادی کے مسئلہ کی تحقیق خاص طور پر
کی جاتی ھے' اور لڑکیوں کو خاص طور پر یہ سکھایا جاتا ھے
کہ وہ جذبات سے الگ ھٹ کر شادی کے مسئلہ کو صرف
کاروباری اور تجارتی حیثیت سے دیکھیں' جب نصاب کی تکمیل
ھوچکتی ھے تو کامیاب لڑکیوں کو C.B. (Certified Bride
سند یافتہ زوجہ) کی ڈگری دی جاتی ھے'۔ اس "شعبہ محبت
و نکاح" کی صدر مسز میکڈ و نیالڈ نام کی ایک خاتون ھیں'
ھم ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس عجیب و غریب امتحان
کا ایک سوال درج ذیل کرتے ھیں—

"میری براؤن ایک عورت ھے' وہ گاف (Golf) کی
شوقین ھے۔اسے کلب کی زندگی اور مجمع سے نفرت ھے'
سگریت پینا بھی اسے نا پسند ھے' اس کے شوھر کا وقت زیادہ
تر کلب کی دلچسپیوں میں صرف ھوتا ھے۔انہیں ایک
دوسرے سے محبت ضرور ھے' لیکن مذاق میں فرق ھے۔
میری چونکہ ایک سنجیدہ خاتون ھے اس لئے وہ یہ تصفیہ
کرتی ھے کہ........."

اس جملہ کو ٢٠٠ الفاظ میں مکمل کرو"۔

بات یہ ھے کہ جو ملک جیسا ھوتا ھے اس کی ھر بات اُسی
رنگ میں ڈھل جاتی ھے۔تجارتی ملکوں میں شادی بیاہ
بھی تجارت کی ایک شاخ ھوگئی ھے۔شادی کو اگر جذبات
سے اور خاص کر جذبۂ محبت سے الگ کرکے دیکھا جاے تو ایک
معمولی "سودا" ھوجائیگا۔آج کل اکثر ھمارے نوجوان بھی
اور خاص کر یورپ کے تعلیم یافتہ شادی کو اسی نظر سے

دیکھتے ھیں- وہ یہ نہیں دیکھتے کہ لڑکی کیسی ھے بلکہ یہ دیکھتے ھیں کہ اس سے شادی کرنے سے روپیہ کس قدر ملے گا—

جزیرۂ سماترا میں حال ھی میں دنیا کا عجیب ترین پھول دیکھا گیا' کھلنے کے ۲۲ دن کے بعد تک اس کا طول صرف ۱۹-انچ تھا لیکن دو ھفتے کے بعد ھی یکایک ۴ فٹ ۴-انچ ھوگیا- چالیسویں دن اس کا طول ۸ فٹ ھوگیا- اس کے تین دن بعد ھی یہ پھول مرجھا گیا'

اب تک فصلیں کاٹنے کے بعد میدانوں میں سکھائی جاتی تھیں' لیکن اب ایک ایسی مشین بنائی گئی ھے جس کے ذریعہ سے غلہ اور گھانس کے انبار ذراسی دیر میں خشک کرلئے جائیں گے' یہ مشین گرمی' جاڑے' برسات ھر موسم میں کام دے سکتی ھے اور اس طرح سکھانے میں جو اخراجات ھوں گے وہ دستی محنت کے مقابلہ میں بہت کم ھوں گے- دوسرا بڑا فائدہ یہ ھے کہ دھوپ میں سکھانے سے گھاس کے جو ضروری اجزا جاتے رھتے ھیں وہ بھی اب محفوظ رھیں گے اور مصنوعی طریقوں سے سکھائی ھوئی گھاس میں دھوپ میں خشک کی ھوئی گھاس کے مقابلہ میں زیادہ غذائیت ھوگی خیال کیا جاتا ھے کہ اگر اس مشین کا استعمال عام طور پر ھونے لگے تو خراب فصلوں کا کوئی اندیشہ نہ رھے گا اور زراعت میں ایک نیا انقلاب ھوجائے گا'

اب تک مدافعت کے لئے تپنچے اور دوسرے اسلحہ استعمال کئے جاتے تھے، جس سے اتلاف جان کی نوبت آتی تھی، لیکن اب امریکہ میں ایک نئے قسم کا آلہ بنایا گیا ہے، جس سے مدافعت بھی ہوجاتی ہے، اور کسی کی جان بھی نہیں جاتی، یہ ایک چھوٹا تندا ہوتا ہے، جو اندر سے خالی ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک قسم کا گیس بھرا رہتا ہے، جو بٹن دباتے ہی تیزی کے ساتھ باہر نکلتا ہے، اس گیس کی خاصیت یہ ہے کہ ۵۰ فٹ کے فاصلہ تک اس سے انسان عارضی طور پر بصارت سے محروم ہو جاتا ہے - آج کل امریکہ میں بنک کے چپراسی اور دوسرے راہگیر رات کے وقت چوروں سے بچنے کے لئے اس آلہ کو اپنے پاس رکھتے ہیں یہ بھی پستول کی طرح آسانی سے جیبوں میں رکھا جا سکتا ہے —

جرمنی اگرچہ میدان جنگ میں شکست کھا چکا ہے لیکن صنعت و حرفت کے میدان میں وہ اب بھی پیش پیش ہے، وہاں آج کل دنیا کا سب سے بڑا برقی انجن (Dynamo) تیار کیا جارہا ہے، اس کے ذریعہ سے ۱۵۰۰۰ گھوڑوں کی طاقت پیدا کی جا سکے گی، یہ قوت انگلستان کے سب سے بڑے برقی انجن کی قوت سے دوگنی ہے -

---

گزشتہ ۵ سالوں میں ہندوستان میں یونیورسٹیوں کی تعداد دگنی ہوگئی ہے، ملک کے بعض ماہرین تعلیم اس اضافہ کو شبہہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں - ہم ان کی توجہ

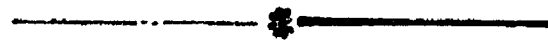
کے لئے ذیل میں جاپان کی یونیورسٹیوں کی تعداد درج کرتے ھیں' اگر ان پر نظر ڈالتے وقت جاپان اور ھندوستان کے رقبہ اور آبادی کے تناسب کو مد نظر رکھا جاے' تو نتیجہ زیادہ سبق آموز ہوگا۔

سال	یونیورسٹیوں کی تعداد
۱۹۲۰	۹
۱۹۲۱	۱۶
۱۹۲۲	۱۸
۱۹۲۳	۳۱

گزشتہ سورج گرھن کے موقع پر سماترا میں دنیا کے مختلف مقامات سے ھیئت داں اور ماھرین سائنس جمع ہوئے تھے' انگلستان' جرمنی' فرانسی' امریکہ' ھر ملک نے اپنے نمائندے بھیجے' ان لوگوں نے بڑی بڑی دوربینوں کی مدد سے سورج کا مشاھدہ کیا ھے اور گرھن کی حالت میں اس کی رنگین تصویریں بھی لی ھیں' ان تصویروں کی مدد سے اس تحقیق میں مدد ملے گی کہ سورج میں کون کون سی گیسیں پائی جاتی ھیں۔

اب تک تیز ترین رفتار کا قیاس ایک میل فی منٹ لگایا جاتا ھے' اور ھمارے ھندوستان میں عام طور پر پنجاب میل کی رفتار کو نظیر کے طور پر پیش کیا جاتا ھے' لیکن حال میں پولٹزر (Pulitzer) کپ کے لئے

هوائی جہازوں کا جو مقابلہ ہوا اس میں تیز ترین ہوائی جہاز کی رفتار ۲۵۰ میل فی گھنٹہ تھی ' ۱۷ برس پہلے جب ولبر رائٹ (Wilbur-Wright) فضای پرواز کا موجد' ۳۷ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑا تھا تو لوگوں کو حیرت ہوتی تھی - آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا -



اس سال کا ادب کا نوبل پرائز ایک سوئڈی خاتون سگرڈ انڈسٹ Sigrid Undset کو ملا ہے - پچھلے سال یہ آئر لینڈ کے مشہور شاعر W.B.Yeats کو' اور اس سے پیشتر ہمارے ہندوستان کے مایہ ناز فلسفی اور شاعر رابندر ناتھہ ٹیگور کو ملا تھا- اس انعام کی مالیت تقریباً ڈیڑ لاکھہ روپیہ ہوتی ہے-



اخبار کلیه

بہمن کے بعد کا زمانہ ہر کلیہ کی دلچسپیوں اور تفریحوں کے لئے جزر کا زمانہ ہوتا ہے' چنانچہ ہمارے کلیہ میں بھی یہ پچھلے تین ماہ ایسے ہی رہے۔ سوائے مختلف بزموں کے جلسوں کے' اور روزانہ کھیلوں کے' اور کوئی بات خاص طور پر ذکر کے قابل نہیں ہے۔ دسمبر میں جو سالانہ ٹورنامنٹ ہوا کرتا تھا وہ اس سال حضور منجھلی صاحبزادی صاحبہ مرحومہ ومغفورہ کی وفات حسرت آیات کی وجہ سے ملتوی کردیا گیا۔

سال دوم' عثمانیہ میٹرک' اور سکستھ فارم کے طلبا کے آزمائشی امتحانات ختم ہو چکے ہیں' اور ان کی شرکت کی درخواستیں بھی روانہ ہوچکی ہیں۔ پروفیسروں اور مدرسین کی کوششوں کا جہاں تک دخل تھا' وہ ختم ہوگئیں' اور اب صرف طلبا کی اپنی محنت کی ضرورت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے کلیہ کے نونہال پچھلے سال کے کارناموں پر نظر رکھیں گے۔ جانے والوں نے ان کے لئے ایک روشن اور قابل تقلید مثال چھوڑی ہے' اس کی تقلید کرنی' اور اسے روشن تر بنانا' یہ انہیں کا کام ہے۔

هم ان سب قسمت آزماؤں کو الوداع کہتے هیں، اور امید
کرتے هیں که جس طرح ان کی اس کلیه کی زندگی
باهمی ربط، محبت اور میل جول میں کٹی، ویسی هی
ان کی آئندہ زندگی بھی هوگی، ان کی جگه، اور ان کی یاد
هم سب کے دلوں میں هے اور همیشه رهیگی - همیں یه
بھی امید هے که اس چھوٹی سی دنیا سے باهر قدم
رکھنے کے بعد وہ اسے بالکل هی بھول نه جائیں گے -
هم ان کے مضامین اور حالات کو همیشه خوشی کے ساتھه
اس رساله میں شایع کرتے رهیں گے، اور وہ زندگی کے
جس میدان میں بھی هونگے، هم سب کی دعائیں ان
کے ساتھه رهیں گی--

خوشی کی بات هے که همارا پور فنڈ بدستور اپنا
مفید کام کررها هے، اس کا سنه ۳۳ف کا موازنه هم کسی
پچھلے نمبر میں شایع کرچکے هیں، اب ذیل میں سنه ۳۴ف
کی آمد و خرچ کی مدیں دکھاتے هیں، جن محسنوں نے
اس میں حصه لیا هے، اور جن همدرد معاونین نے اس کی
مدد کی هے، هم ان سب کا شکریه ادا کرتے هیں، اور امید
کرتے هیں، که باهمی امداد اور ایثار کا یه سلسله بهت
دنوں تک جاری رهےگا-

فرد حساب بابتہ سنہ ۱۳۳۴ فصلی

آمد

مدات	روپیہ	آنہ	پائی
نقد بدست بتاریخ یکم آذر سنہ ۳۴ فصلی	۱	۲	
عطیہ نواب رضا یار جنگ بہادر			
اول تعلقدار ضلع	۱۲۰		
عطیہ از بک ڈپو	۶۶	۵	۶
چندہ اساتذہ صاحبان	۲۶۷	۸	
مزید چندے	۳۸	۹	۴
وصول از فیس روشنائی و امتحان	۱۴۳	۱۳	۸
چندہ طلباء کلیہ	۳۴	۸	۱۱
وصول از فروخت کتب	۱	۸	
جملہ آمد	۶۷۴	۷	۵
کل خرچ	۶۱۳	۵	۱۰
نقد بدست بتاریخ ۳۰ آبان سنہ ۳۴ فصلی	۶۰	۶	۷

خرچ

	روپیہ	آنہ	پائی
سرمایہ وظیفۂ کلیہ	٥٠		
خرید کتب	٢٩٨	١٤	٦
وظائف وغیرہ	١٣٩	٩	٤
خرید روشنائی و کاغذ برائے امتحان	١٠٠	١٤	
کرایہ ریل چہار طلبائے سکستہ فارم	٢٤		
میزان	٦١٣	٥	١٠

